# تدبّرِ قرآن

۲۴

# النّور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ۱- سورہ کا محل و مقام، عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اس گروپ کی آخری سورہ ہے ــــ یہ مدنی ہے۔ اس کی حیثیت سابق سورہ ــــ سورۂ مؤمنون ــــ کے تکملہ اور تتمہ کی ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ اس کی کوئی مثنیٰ سورہ نہیں ہے۔ ہم مقدمہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ جو سورتیں اپنی سابق سورہ کے تکملہ و تتمہ کی حیثیت رکھتی ہیں وہ گویا سابق سورہ ہی کا جزو ہوتی ہیں اس وجہ سے ان کے ساتھ ان کے کسی جوڑے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی مثالیں آگے بھی آئیں گی۔

یہاں سورۂ مؤمنون کی آیات ۱ ــ ۱۱ پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے۔ وہاں بیان ہوا ہے کہ خدا کے ہاں فوز و فلاح ان اہل ایمان کے لیے ہے جن کی نمازوں میں خضوع و خشوع ہے، جو لغویات سے احتراز کرنے والے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے اور اپنے شہوانی جذبات پر پورا قابو رکھتے ہیں، ان سے مغلوب ہو کر خدا کے مقرر کردہ حدود و قیود کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور جو اپنی امانتوں اور اپنے قول و قرار کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں۔

جب تک مسلمان مکہ میں رہے ایمان کے یہ اثرات اور تقاضے ظاہر ہے کہ ان کی انفرادی زندگیوں ہی میں ابھر سکتے تھے اس لیے کہ مکہ میں ان کی کوئی اجتماعی تنظیم نہیں تھی لیکن ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ میں مجتمع ہو گئے اور ان کی ایک اجتماعی و سیاسی تنظیم بھی وجود میں آ گئی تب وقت آیا کہ اس ایمان کے تقاضے معاشرتی و سیاسی زندگی میں بھی نمایاں ہوں۔ چنانچہ جس رفتار سے حالات سازگار ہوتے گئے معاشرہ کی اصلاح و تطہیر کے احکام نازل ہوئے اور ایمان کی اس نورانیت کی جگمگاہٹ، جو اب تک صرف افراد تک محدود تھی، ایک پوری ہیئت اجتماعی پر ضوفگن ہوئی۔

سورۂ نور اسی سلسلہ کی ایک سورہ ہے جس میں وقت کے خاص حالات کے مطابق اہل ایمان کو ان احکام و ہدایات سے آگاہ کیا گیا ہے جو ان کے نو تشکیل معاشرے کو ایمان کے تقاضوں سے منور کرنے اور منافی ایمان مفاسد سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھے۔

اب ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں تاکہ عمود کے ساتھ اس کے اجزاء کی مطابقت واضح ہو جائے۔

## ب ۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱ - ۳) جرم زنا کی سزا کا بیان اور مسلمان کے لیے کسی زانیہ یا مشرکہ سے اور کسی مومنہ کے لیے کسی زانی یا مشرک سے نکاح کی ممانعت۔

(۴ - ۵) قذف کی سزا اور اس کے لیے شہادت کا قانون۔

(۶ - ۱۰) اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اپنے الزام کو ثابت کرنے کے لیے شریعت کی مطلوبہ شہادت پیش نہ کر سکے تو اس کا فیصلہ فریقین کی قسم سے ہوگا۔ اس قسم کے طریقہ کی وضاحت۔

(۱۱ - ۲۶) فتنۂ افک کی طرف ایک اجمالی اشارہ اور اس کے تعلق سے ان رخنوں کا سدباب جو معاشرہ کی تباہی کا سبب ہو سکتے تھے۔ جن منافقین نے یہ فتنہ اٹھایا ان کی پردہ دری اور ان کو وعید۔ جن مسلمانوں نے اس معاملہ میں بے پروائی اور سہل انگاری سے نادانستہ منافقین کے مقصد کو تقویت پہنچائی ان کو تنبیہ کہ وہ آئندہ ان منافقین سے ہوشیار رہیں۔ یہ منافقین مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ کو مجروح کرنے کے درپے ہیں اس وجہ سے مسلمانوں کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے عزت و ناموس سے متعلق جو بات، کوئی ان کے کان میں ڈال دے اس کو لے اڑیں بلکہ انھیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اور کسی کے باب میں کوئی الزام اس وقت تک قبول نہیں کرنا چاہیے جب تک اس کا ثبوت موجود نہ ہو۔

(۲۷ - ۳۱) اگر کسی مسلمان کو اپنے کسی دوسرے بھائی کے گھر میں جانے کی ضرورت پیش آئے تو وہ چند معین ضابطوں کی پابندی کرے تاکہ گھروں کے اندر بدنگاہی اور شیطان کو دراندازی کی راہ نہ ملے۔ ان ضابطوں کی وضاحت اور اس صورت میں گھر کی خواتین پر جو پابندیاں شریعت نے عائد کی ہیں ان کی تفصیل۔

(۳۲ - ۳۴) عقدِ بیوگان اور لونڈیوں غلاموں کے نکاح کی تاکید تاکہ معاشرہ شیطان کی رخنہ اندازیوں سے محفوظ رہے۔ غلاموں کو آزادوں کی سطح پر لانے اور غلامی کو ختم کرنے کے لیے مکاتبت کی ہدایت اور مکاتبت کے طلبگار غلاموں کی مالی امداد کی تاکید۔ نیز لونڈیوں سے پیشہ کرانے کی شدت سے ممانعت۔

(۳۵ - ۴۰) ایمان اور کفر کی تمثیل جس میں واضح فرمایا ہے کہ جس دل کے اندر ایمان ہوتا ہے اس کا ظاہر اور باطن دونوں مطلع انوار بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اس نورِ ایمان سے محروم ہوتے ہیں ان کے اندر اور باہر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا رہتا ہے۔

(۴۱ - ۴۶) آفاق کے دلائل کی روشنی میں ایمان کی دعوت کہ اس کائنات میں متصرفِ حقیقی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر چیز صرف اسی کی حمد و تسبیح کرتی ہے اس وجہ سے انسانوں کا بھی فرض ہے کہ اسی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لائیں، اس کی عبادت و اطاعت میں کسی اور کو شریک کر کے اپنے آپ،

کو اس کے غضب کا مستحق نہ بنائیں۔

(۴۷-۵۴) منافقین کو تنبیہ کہ ان کی یہ منتقسم وفاداری کی پالیسی چلنے والی نہیں ہے کہ اپنے مفاد کے حد تک تو وہ خدا اور رسول کا کلمہ پڑھیں اور اگر کوئی بات ان کو اپنے مفاد کے خلاف نظر آئے تو خدا اور رسول کو چھوڑ کر اپنی من مانی کریں۔ اگر فوز و فلاح مطلوب ہے تو یکسوئی کے ساتھ رسول کا ساتھ دیں ورنہ جس وادی میں بھٹکنا چاہتے ہیں اس میں بھٹکتے پھریں، خدا کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اصل چیز ایمان و اطاعت ہے، جھوٹی قسموں سے رسول کو چکمہ دینے کی کوشش نہ کریں۔ رسول کا کام اللہ کے دین کو پہنچا دینا تھا، وہ اس نے پہنچا دیا۔ اب لوگوں کی اپنی ذمہ داری ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے انجام کو اچھی طرح سوچ لے۔

(۵۵-۵۷) رسول کے راستباز ساتھیوں کو نہایت واضح الفاظ میں زمین کی خلافت کی بشارت، کہ تمہارے مخالفین اور دین کے اعداء تمہارا یا تمہارے دین کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ تم نماز کا اہتمام رکھو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور پوری دل جمعی کے ساتھ رسول کی اطاعت پر جمے رہو، جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خوف کی حالت کو امن و اطمینان سے بدل دے گا۔

(۵۸-۶۱) پچھلے آیات ۲۷-۳۱ میں گھروں کے اندر کے پردے سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں، بعد میں انہی سے متعلق کچھ سوالات پیدا ہوئے۔ ان آیات میں ان کے جواب دیے گئے ہیں اور ان کے ساتھ یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ آیات لوگوں کے سوالوں کے جواب میں بعد میں نازل ہوئی ہیں۔

(۶۲-۶۴) خاتمۂ سورہ ــــ توضیحی آیات کے بعد اصل سلسلۂ کلام، اطاعتِ رسول سے متعلق، جو آیت ۵۴ میں گزرا پھر سامنے آگیا اور اسی اہم مضمون پر یہ عظیم سورہ ختم ہوئی ہے۔ اس خاتمہ میں مسلمانوں کو عموماً اور منافقین کو خصوصاً متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ کا رسول جب کسی اجتماعی کام کے لیے تمہیں بلائے تو اس کے بلانے کو کسی عام شخص کا بلانا نہ سمجھو کہ جی چاہا گئے، جی چاہا نہ گئے اور گئے بھی تو جب جی چاہا اٹھ کے چل دیے۔ بلکہ ضرور جاؤ اور جب تک اجازت نہ ملے اس وقت تک وہاں سے نہ اٹھو۔ اسی اطاعت میں تمہاری دین و دنیا کی فلاح کا راز مضمر ہے۔

اس تجزیہ مطالب سے عمود کے ساتھ اس سورہ کے اجزاء کا تعلق اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ اب ہم اللہ کا نام لے کر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

# سُورَةُ النُّورِ (۲۴)

مَدَنِيَّةٌ ——— اٰيَاتُهَا (۶۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ آيات ۱-۱۰
تَذَكَّرُوْنَ (۱) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ
مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا
طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲) اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ
مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ
ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۳) وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ
يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۴) اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵) وَالَّذِيْنَ
يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ
اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۶) وَالْخَامِسَةُ
اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۷) وَيَدْرَؤُا عَنْهَا

الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸
وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْ
ع لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

ترجمہ آیات ۱-۱۰

یہ ایک اہم سورہ ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور اس کے احکام ہم نے فرض ٹھہرائے ہیں اور اس میں ہم نے نہایت واضح تنبیہات بھی اتاری ہیں تاکہ تم اچھی طرح یاد رکھو۔ ۱

زانی عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور خدا کے قانون کی تنفیذ کے معاملے میں ان کے ساتھ کوئی نرمی تمھیں دامن گیر نہ ہونے پائے اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر سچا ایمان رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔ ۲

زانی نہ نکاح کرنے پائے مگر کسی زانیہ یا مشرکہ سے اور کسی زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر کوئی زانی یا مشرک۔ اور اہلِ ایمان پر یہ چیز حرام ٹھہرائی گئی ہے۔ ۳

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں، پھر اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کریں تو ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ اصلی فاسق ہیں۔ جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں گے تو اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی ذات کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی گواہی کا طریقہ یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ وہ سچے ہیں اور پانچویں بار یہ کہیں کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹے ہوں۔ اور عورت سے سزا کو یہ چیز دفع کرے گی کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب

ہو اگر یہ شخص سچا ہو۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا اور صاحبِ حکمت ہے تو تم اس کی پکڑ میں آجاتے۔ ۴-۱۰

---

# ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۱)

*سورہ کی اہمیت کا اظہار*

یہ سورہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، سورۂ مؤمنون کے تکملہ و تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے اس وجہ سے بغیر کسی خاص تمہید کے محض ایک تنبیہ سے شروع ہو گئی ہے۔ حذفِ مبتدا، جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، اس بات کا قرینہ ہے کہ مقصود مخاطب کی ساری توجہ کو خبر پر مرکز کرانا ہے جس سے اس سورہ کی اہمیت و عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی یہ ایک عظیم سورہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ "ہم نے نازل کیا ہے" یعنی اس کو کوئی معمولی چیز اور ہوائی بات نہ سمجھو بلکہ یہ ہمارا اتارا ہوا کلام اور ہمارا نازل کردہ فرمان ہے اس وجہ سے اس کی ہر بات کی تعمیل ہمارے فرمانِ واجب الاذعان کی حیثیت سے کی جائے۔ "وَفَرَضْنٰهَا" یعنی اس میں جو احکام و ہدایات ہیں ان کی حیثیت فرائض کی ہے، سب بے چون و چرا ان کی اطاعت کریں، کسی معاملہ میں سہل انگاری و بے پروائی کو راہ نہ پانے دیں۔

*سورہ کی تنبیہات کی طرف اشارہ*

"وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" یہ ان تنبیہات کی طرف اشارہ ہے جو اس سورہ میں احکام و ہدایات کے بیان کے ساتھ ساتھ مقطع کی طرح بار بار وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہوں آیات ۱۰، ۱۴، ۱۷، ۲۰، ۲۳، ۲۴ اور ۲۸۔ ان تنبیہات کا مشترک مقصود یہ ہے کہ یہ احکام جو دیے جا رہے ہیں پورے اہتمام کے ساتھ ان کی پابندی کرو ورنہ یاد رکھو کہ خدا کی پکڑ بڑی ہی سخت چیز ہے۔ اس سورہ میں ان تنبیہات کی ضرورت خاص طور پر اس وجہ سے تھی کہ اس میں خاندان و معاشرہ اور تعزیرات و حدود سے متعلق جو احکام دیے گئے ہیں وہ پچھلی امتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہوئے جس کے سبب سے وہ امتیں خدا کے عتاب میں آئیں۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل و احسان ہے کہ اس نے احکام کے ساتھ ان کی خلاف ورزی کے نتائج سے بھی بار بار آگاہ فرما دیا تاکہ لوگ اچھی طرح بیدار و ہوشیار رہیں۔ "لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲)

*زنا کی سزا*

معاشرے کے انتشار و فساد میں سب سے زیادہ دخل زنا کو ہے اس لیے کہ معاشرہ کے استحکام کا

انحصار رحمی رشتہ کی پاکیزگی اور اس کے ہر قسم کے اختلال و فساد سے محفوظ ہونے پر ہے اور زنا اس رشتہ کی پاکیزگی کو ختم کر کے معاشرے کو صنفی انتشار کی راہ پر ڈال دیتا ہے جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ ایک پاکیزہ معاشرہ کے بجائے ڈھوروں ڈنگروں کا ایک گلہ بن کے رہ جاتا ہے۔ یہ اختلال و انتشار چونکہ صالح تمدن کی بنیاد کو اکھاڑ دینے والا ہے اس وجہ سے تمام آسمانی مذاہب میں زنا کو ایک مستوجب سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے بھی بالکل پہلے ہی مرحلہ سے اس انتشار کو روکنے کے لیے احکام دیے۔ چنانچہ نساء کی آیات ۱۵-۱۶ میں اس سلسلہ کے ابتدائی احکام دیے گئے جب کہ حالات حدود و تعزیرات کے نفاذ کے لیے ابھی سازگار نہیں ہوئے تھے اور ساتھ ہی یہ اشارہ فرما دیا گیا کہ اس باب میں قطعی اور آخری احکام بعد میں نازل ہوں گے۔ چنانچہ اس آیت سے وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ زانیہ اور زانی دونوں کے لیے یہ حکم ہوا کہ ان کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔

**تنفیذِ حدود کے معاملہ میں مداہنت ایمان کے منافی ہے**

"وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" یہاں 'دین' سے مراد یہی حد ہے جو زنا کی بیان ہوئی ہے۔ یعنی اس کی تنفیذ کے معاملے میں کسی نرمی یا مداہنت یا چشم پوشی کو راہ نہ دی جائے۔ نہ عورت کے ساتھ کوئی نرمی برتی جائے نہ مرد کے ساتھ، نہ امیر کے ساتھ نہ غریب کے ساتھ۔ خدا کے مقرر کردہ حدود کی بے لاگ اور بے رورعایت تنفیذ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا لازمی تقاضا ہے۔ جو لوگ اس معاملے میں مداہنت اور نرمی برتیں ان کا اللہ اور آخرت پر ایمان معتبر نہیں ہے۔ یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ سزا کے بیان میں عورت کا ذکر مرد کے ذکر پر مقدم ہے۔ اس کی وجہ جہاں یہ ہے کہ زنا عورت کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا وہاں یہ بھی ہے کہ صنفِ ضعیف ہونے کے سبب سے اس کے معاملہ میں جذبۂ ہمدردی کے ابھرنے کا زیادہ امکان ہے، اس وجہ سے قرآن نے یہاں اس کے ذکر کو مقدم کر دیا تاکہ اسلوبِ بیان ہی سے یہ بات واضح ہو جائے کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہے، عورت ہو یا مرد۔

**حدود کے معاملہ میں یہود کی مداہنت**

حدود کے معاملہ میں اس شدت کے ساتھ تاکید و تنبیہ کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ یہود نے اکثر حدود عملاً بالکل ساقط کر دیے تھے۔ زنا کی سزا ان کی شریعت میں رجم تھی لیکن عملاً صورت یہ تھی کہ اگر کوئی غریب اس جرم میں ماخوذ ہوتا تب تو اس پر یہ سزا نافذ کی جاتی لیکن کوئی امیر اس کا ارتکاب کرتا تو اس سے تعرض نہ کرتے۔ اور اب موجودہ زمانے میں تو یہ مستقل فلسفہ بن گیا ہے کہ جو لوگ جرائم کا ارتکاب

**عصرِ حاضر کا فلسفہ اور اس کی برکات**

کرتے ہیں وہ کسی ذہنی بیماری کے سبب سے کرتے ہیں اس وجہ سے وہ مستحق تربیت و اصلاح و ہمدردی کے ہیں نہ کہ کسی سخت سزا کے۔ اس فلسفہ کی یہ برکت ہے کہ خدا کی زمین گنڈوں اور بدمعاشوں سے بھر گئی ہے اور کسی شریف آدمی کی بھی جان اور عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہ گئی ہے۔ آپ اپنے ہی ملک کو لیجیے۔ اگر آپ اپنے قانون و امن کے ذمہ داروں کے سامنے زنا کی اس سزا کا ذکر کیجیے جو

اوپر مذکور ہوئی ہے تو، ایمان کے بلند بانگ دعووں کے باوجود، اس کو وحشیانہ کہیں گے اور اگر مصلحت کی وجہ سے وحشیانہ نہ کہیں تو بہرحال اس کو وحشیانہ سمجھتے ہیں لیکن ملک کی صورتِ حال یہ ہے کہ بلا مبالغہ سال میں ہزاروں جانیں اور آبروئیں نہایت بے دردی و بے رحمی کے ساتھ، بدمعاشوں کے ہاتھوں اس طرح برباد ہوتی ہیں کہ ان کی خبریں ہر صبح کو اخباروں میں پڑھ پڑھ کر کلیجہ شق ہوتا ہے۔

چوروں اور زانیوں کے لیے تو ان حضرات کے جذبۂ رافت و ہمدردی کا یہ حال ہے کہ یہ ان کے لیے گویا خدائے رحمان و رحیم سے بھی زیادہ مہربان بن گئے ہیں کہ ان کا ہاتھ کاٹنے اور ان کو کوڑے مارنے کے تصور سے ان کا دل کانپتا ہے لیکن ان چوروں اور بدمعاشوں کے ہاتھوں خاندانوں کے خاندان جو آئے دن قتل و نہب اور بے عزتی و ناموسی کا شکار ہو رہے ہیں ان کی مظلومیت پر ان کے دل ذرا نہیں پسیجتے!

**اسلامی حدود و تعزیرات کی برکت**

اگر یہ حضرات اپنے دعوائے ایمان کی لاج رکھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو کم از کم دنیا کے تجربات ہی سے کچھ سبق حاصل کریں۔ اسی روئے زمین پر نجد و حجاز اور یمن کی حکومتیں بھی ہیں۔ ان میں اسلامی حدود و تعزیرات نافذ ہیں۔ اس اعداد و شمار کے زمانے میں آسانی سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں چوری، رہزنی، ڈکیتی اور زنا کے کتنے واقعات ہوئے اور کتنے چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے اور کتنے زانیوں کے کوڑے لگائے گئے۔ میرے پاس اعداد و شمار تو نہیں ہیں لیکن عینی شاہدوں کے بیانات بھی میرے علم میں ہیں اور میرا ذاتی مشاہدہ بھی ہے کہ وہاں نہ جرائم کا وجود ہے نہ مجرموں کا۔ یہ صرف اسلامی حدود و تعزیرات کا دبدبہ ہے کہ وہاں نہ چوری اور زنا کے واقعات ہوتے ہیں نہ چوروں کے ہاتھ کاٹنے اور زانیوں کو کوڑے مارنے کی نوبت آتی ہے۔ اگر کبھی کبھار کوئی اِکّا دُکّا کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے تو مجرم کو اس کی جو سزا ملتی ہے عوام کی سبق آموزی کے لیے وہی کافی ہوتی ہے۔ اس کے مقابل میں جب ہم اپنے ملک کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو سیدنا مسیح کے الفاظ میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ "تم نے میرے باپ کے گھر کو چوروں اور ڈاکوؤں کا بھٹ بنا کے رکھ دیا ہے"۔

**اسلامی حدود و تعزیرات کا ایک اہم مقصد**

'وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ'۔ اسلامی حدود و تعزیرات کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ ان سے دوسروں کو عبرت و موعظت حاصل ہو۔ چنانچہ قرآن میں ان کو 'نَكَالٌ' سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی عبرت انگیز سزا کے ہیں۔ اس مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ یہ سزائیں پبلک میں، مسلمانوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں دی جائیں۔ اگر یہ جیلوں کی کوٹھڑیوں میں چپ چپاتے دے دی جائیں تو ان کی یہ مصلحت فوت ہو جاتی ہے۔ 'طَآئِفَةٌ' کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس لفظ کا اطلاق ایک شخص پر بھی ہوتا ہے۔ معلوم نہیں ان حضرات کی اس نادر تحقیق کا ماخذ کیا ہے!

**آیت کے عموم پر فقہاء کی بعض قیدیں اور ان کے باب میں ہمارا نقطۂ نظر**

اس آیت کے ظاہر الفاظ کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو ہر قسم کے زانی اور ہر قسم کی زانیہ کے لیے عام ہیں لیکن ہمارے فقہاء نے اس عموم پر بعض قیدیں عاید کی ہیں جن میں سے بعض صحیح ہیں، بعض ہمارے نزدیک غلط ہیں اور بعض محتاج تفصیل ہیں۔ اگرچہ ہمارے لیے فقہی مباحث میں زیادہ گھسنے کی گنجائش نہیں ہے لیکن بعض ضروری باتوں کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔

- ایک یہ کہ اس حد کے اجراء و نفاذ کے لیے دار الاسلام یا بالفاظ دیگر اسلامی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک یہ شرط لازمی ہے۔ یہ احکام نازل ہی اس وقت ہوئے ہیں جب اسلامی حکومت مدینہ میں استوار ہو گئی ہے۔
- دوسری یہ کہ یہ حد صرف عاقل و بالغ پر نافذ ہوگی۔ نابالغ اور فاتر العقل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے۔ نابالغ اور مجنون ہر قانون میں مرفوع القلم سمجھے گئے ہیں۔
- تیسری یہ کہ غلام اور لونڈی پر صرف نصف حد جاری ہوگی۔ یہ بات بھی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کی دلیل سورۂ نساء آیت ۲۵ میں موجود ہے۔ اصل یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں غلاموں کا عقلی و اخلاقی معیار اتنا پست ہو چکا تھا کہ ان کو یک بیک آزادوں کی صف میں نہیں لایا جا سکتا تھا اس وجہ سے ان کے معاملات میں اسلام نے ایک تدریج ملحوظ رکھی۔ یہاں تک کہ جب ان کی ذہنی و اخلاقی حالت بلند ہو گئی تو ان کے لیے مکاتبت کا وہ قانون نازل ہو گیا جو اسی سورہ میں آگے زیر بحث آئے گا۔ اس قانون کے بعد ہر ذی صلاحیت غلام کے لیے آزادی کی نہایت کشادہ راہ کھل گئی اور وہ حقوق اور ذمہ داریوں، دونوں میں، دوسروں کے ساتھ برابر کے شریک ہو گئے۔ آگے ہم اس مسئلہ کے بعض اہم پہلو واضح کریں گے۔
- چوتھی قید فقہا کے ایک گروہ نے یہ عاید کی ہے کہ یہ حد صرف مسلمان پر نافذ ہوگی، غیر مسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ بات ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا اپنے پرسنل لا کے حد تک تو بے شک حکومت کے عام قوانین سے مستثنیٰ ہوگی لیکن حدود و تعزیرات سے، جن کا تعلق ملک کے امن و عدل سے ہے، اس کو مستثنیٰ رکھنا کس طرح ممکن ہے؟ اگر ایک مسلمان کو بجرم زنا آپ کوڑے لگائیں یا رجم کریں اور اسی جرم میں ایک غیر مسلم پر کوئی گرفت نہ کریں یا کوئی دوسری معمولی سزا دیں تو زنا کا سدِ باب ناممکن ہوگا۔ یہی حال چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کا ہے۔ اگر ایک اسلامی حکومت چوری کے جرم میں مسلمانوں کے تو ہاتھ کاٹے لیکن اپنی غیر مسلم رعایا کو اس حد سے مستثنیٰ رکھے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ مسلمانوں کو چوری سے روک کر اپنے ملک میں غیر مسلموں کو چوری کا لائسنس دے رہی ہے۔ یہ بات بالبداہت خلافِ عقل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ

نے بھی غیر مسلموں پر حدود جاری فرمائے اور خلفائے راشدین نے بھی۔ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب 'اسلامی ریاست' میں کی ہے۔ تفصیل کے طالب اس کو پڑھیں۔

پانچویں قید تقریباً تمام فقہاء نے اس پر یہ عاید کی ہے کہ اس حد کا تعلق صرف اس زانی سے ہے جس کی شادی نہ ہوئی ہو یا شادی تو ہوئی ہو لیکن ابھی اس نے مباشرت نہ کی ہو۔ رہے وہ جن کی شادی بھی ہو چکی ہے اور جو مباشرت بھی کر چکے ہیں تو ان کے لیے سزا رجم کی ہے۔ اس رجم کا ثبوت وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے لاتے ہیں اور اس طرح وہ اس آیت میں بیان کردہ حد کو کنوارے اور کنواری کے لیے خاص کر دیتے ہیں یا یوں کہیے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کے حد تک اس کو سنت کے ذریعہ سے منسوخ مانتے ہیں۔

اس آیت پر فقہاء کی یہ قید بڑی اہم ہے۔ اس کو تخصیص کہیے یا نسخ، مجرد اخبار احاد کی بنا پر قرآن کے کسی حکم عام کو اس طرح مقید یا منسوخ کر دینا بہرحال ایک ایسی بات ہے جس پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔ چنانچہ خوارج اس نسخ یا تخصیص کو نہیں مانتے، وہ رجم کا انکار کرتے ہیں اور اس حد کو، جو آیت میں مذکور ہوئی ہے، ہر قسم کے زانیوں کے لیے عام مانتے ہیں۔

ان قدیم خوارج سے زیادہ اہم مسئلہ ہمارے جدید خوارج کا ہے۔ قدیم خوارج اس اعتبار سے غنیمت تھے کہ وہ صرف رجم کے منکر تھے۔ جلد کے منکر نہیں تھے۔ لیکن ہمارے جدید خوارج تو جلد کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں بھلا وہ رجم کی بات کب سننے والے ہیں! اس وجہ سے ضروری ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ رجم کا ماخذ قرآن میں کیا ہے اور اس آیت کے حکم اور رجم کے حکم میں تطبیق کی کیا شکل ہے؟ میں پہلے ان روایات پر ایک نظر ڈالوں گا جن سے فقہاء نے رجم پر استدلال کیا ہے۔ اس کے بعد قرآن میں رجم کی سزا کا جو ماخذ ہے اس کی نشان دہی کروں گا اور پھر یہ واضح کروں گا کہ رجم کی سزا کس طرح کے مجرموں کے لیے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو یہ سزا دی وہ کس قماش کے لوگ تھے۔ اگرچہ بحث طویل ہو رہی ہے لیکن ان کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں ہے اس وجہ سے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

رجم کی سزا کے حق میں فقہاء کے استدلال کا ماخذ

فقہاء نے جس روایت کی بنا پر شادی شدہ کے حد تک اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے وہ عبادہ بن صامت سے بدیں الفاظ مروی ہے۔

| | |
|---|---|
| عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خذوا عنی قد جعل اللہ لهن سبیلا البکر بالبکر جلد مائة | عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت جو کچھ بتا رہا ہوں اس کو میری طرف سے محفوظ کرو۔ زانیہ عورتوں کے باب میں اللہ نے جو حکم نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا وہ نازل فرما دیا۔ پس اگر مرتکب زنا |

| | |
|---|---|
| وتغریب عام والثیب بالثیب | دونوں کنوارے ہوں تو ان کے لیے سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی |
| الجلد والرجم۔ | کی سزا ہے اور اگر دونوں شادی شدہ ہوں تو کوڑے اور رجم کی سزا ہے۔ |

**اس روایت پر تنقید**

اس روایت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کنوارے زانی کے لیے ایک ہی ساتھ کوڑے مارنے کی سزا کا حکم بھی ہے اور ایک سال کی جلاوطنی کا بھی۔ اسی طرح شادی شدہ کے لیے ایک ہی ساتھ کوڑے کی سزا بھی مذکور ہوئی ہے اور رجم کی سزا بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں سزائیں ساتھ ہی دی جائیں گی؟ اس کا جواب ہمارے فقہاء، حنفی اور شافعی دونوں، یہ دیتے ہیں کہ جلد اور رجم دونوں سزائیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں اور حدیث میں کوڑے مارنے کی جو سزا مذکور ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے تعامل سے منسوخ ہو گئی، شادی شدہ کے لیے صرف رجم کی سزا ہے۔

غور کیجیے، عبادہ بن صامت کی یہی روایت ہے جس کے بل پر سورۂ نور کی آیت کو منسوخ ٹھہرایا گیا حالانکہ قرآن کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔ پھر جب حدیث سے بھی بات نہیں بنی تو اس کو دوسری روایات سے منسوخ کر دیا گیا۔ ہمارے فقہاء کی اسی طرح کی باتیں ہیں جن سے لوگوں کے دلوں میں دین کے متعلق بدگمانیاں پیدا ہوئیں۔ میں آگے چل کر دکھاؤں گا کہ اگر روایت پر قرآن کی روشنی میں غور کیا جائے تو قرآن کے ساتھ اس کی مطابقت ہو جاتی ہے۔ نہ کسی چیز کو ناسخ ماننے کی ضرورت پیش آتی ہے، نہ کسی چیز کو منسوخ۔

**فقہا کا ایک دوسرا ماخذ**

دوسری روایت جو اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے، دل پر جبر کر کے، میں اس کو نقل کیے دیتا ہوں۔

| | |
|---|---|
| عن ابن عباس قال قال عمرؓ | ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے |
| قد خشیت ان یطول بالناس | کہ جب لوگوں پر کچھ زمانہ گزر جائے گا تو وہ وقت آ جائے گا کہ |
| زمان حتی یقول قائل لانجد | کہنے والے کہنے لگیں گے کہ رجم کی سزا کا ذکر اللہ کی کتاب میں تو |
| الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا | ہم کہیں نہیں پاتے اور اس طرح وہ خدا کے ایک فریضہ کو جو اس |
| بترک فریضۃ انزلھا اللہ و | نے نازل فرمایا ہے، ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے حالانکہ ہم نے خود |
| قد قرأنا الشیخ والشیخۃ | یہ آیت تلاوت کی ہے الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما |
| اذا زنیا فارجموھما البتۃ۔ | البتۃ (بوڑھا اور بوڑھی جب زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو لازماً سنگسار کرو)۔ |

**اس روایت پر تنقید**

میں نے جیسا کہ عرض کیا، اس روایت کو نہایت کراہت کے ساتھ، محض اس لیے نقل کیا ہے کہ اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے راہ کی ان الجھنوں کو صاف کرنا ضروری ہے جو زنادقہ کی پھیلائی ہوئی ہیں اور ہمارے مفسرین اور فقہاء کی سادگی کی وجہ سے تفسیر اور فقہ کی کتابوں میں بھی ان کو جگہ مل گئی ہے۔

اس روایت پر غور کیجیے تو ہر پہلو سے یہ کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور مقصود اس کے گھڑنے سے قرآن کی محفوظیت کو مشتبہ ٹھہرانا اور سادہ لوحوں کے دلوں میں یہ وسوسہ پیدا کرنا ہے کہ قرآن کی

بعض آیات قرآن سے نکال دی گئی ہیں۔

سب سے پہلے اس کی زبان پر غور کیجیے۔ کیا کوئی سلیم المذاق آدمی اس کو قرآن کی ایک آیت قرار دے سکتا ہے؟ اس کو تو قولِ رسولؐ قرار دینا بھی کسی خوش ذوق آدمی کے لیے ناممکن ہے چہ جائیکہ قرآن حکیم کی ایک آیت۔ آخر قرآن کے مخمل میں اس ٹاٹ کا پیوند آپ کہاں لگائیں گے! قرآن کی لاہوتی زبان اور افصح العرب والعجم کے کلام کے ساتھ اس عبارت کا کیا جوڑ ہے!

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ قرآن کی ایک آیت تھی تو اس کو نکال کس نے دیا جب کہ اس کا حکم یعنی سزائے رجم باقی ہے؟ آیت کو نکال دینے اور حکم کو باقی رکھنے کا آخر کیا تُک ہے؟ اگر یہ قرآن کی ایک آیت تھی اور نکال دی گئی تو یہ اس بات کا ثبوت ہوا کہ رجم کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ پھر اس سے رجم کے حق میں استدلال کے کیا معنی!

تیسری بات یہ ہے کہ اس کو اگر صحیح باور بھی کر لیجیے جب بھی اس سے ہمارے فقہاء کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ان کو ثبوت چاہیے شادی شدہ زانی کے رجم کا اور اس میں حکم بیان ہوا ہے بوڑھی زانیہ اور بوڑھے زانی کا۔ ہر شادی شدہ کا بوڑھا ہونا تو ضروری نہیں ہے! پھر دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کہاں رہی!

بہرحال یہ روایت بالکل بیہودہ روایت ہے اور ستم یہ ہے کہ اس کو منسوب حضرت عمرؓ کی طرف کیا گیا ہے حالانکہ ان کے عہد مبارک میں اگر کوئی یہ روایت کرنے کی جرأت کرتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ ان کے دُرّے سے نہ بچ سکتا۔ ہمارے فقہاء میں یہ بڑی کمزوری ہے کہ جب وہ اپنے حریف سے مناظرہ پر آتے ہیں تو جو اینٹ پتھر انھیں ہاتھ آجائے وہ اس کے سر پر دے مارتے ہیں۔ پھر یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی زد خود دین پر کہاں تک پڑتی ہے۔

رجم کی سزا کا ماخذ اور اس کا محل

رجم کے ثبوت میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ یہی ہیں اور ان کا جو حال ہے وہ اوپر بیان ہوچکا۔ اب سوال یہ ہے کہ رجم کی سزا کا ماخذ کیا ہے؟ کس قسم کے مجرموں کے لیے یہ سزا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کے زانیوں کو یہ سزا دی؟ ان سوالات پر غور کرنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ یہ بات بالبداہت معلوم ہے کہ رجم کی سزا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مجرموں کو دی اور خلفائے راشدین نے بھی دی۔ جو لوگ اس امر واقعی کا انکار کرتے ہیں وہ ہر چیز کا انکار کر سکتے ہیں۔ اس وجہ سے مجھے ان کی زیادہ فکر نہیں ہے البتہ چونکہ میں خود رجم کی سزا کا قائل ہوں اس وجہ سے میں قرآن سے اس سزا کا ماخذ اور اس کا موقع و محل واضح کرنا اپنی ایک ذمہ داری سمجھتا ہوں۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے پہلے ایک تمہید اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے۔

مجرموں کی دو قسمیں

مجرم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن سے چوری یا قتل یا زنا یا قذف کا جرم صادر ہو جاتا ہے لیکن ان کی نوعیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ معاشرہ کے لیے آفت اور وبال (NUISANCES) بن جائیں یا حکومت

کے لیے لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دیں۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں جو اپنی انفرادی حیثیت میں بھی اور جتھہ بنا کر بھی معاشرے اور حکومت دونوں کے لیے آفت اور خطرہ بن جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے مجرموں کے لیے قرآن میں معین حدود اور قصاص کے احکام ہیں جو اسلامی حکومت انہی شرائط کے مطابق نافذ کرتی ہے جو شرائط قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ دوسری قسم کے مجرمین کی سرکوبی کے لیے احکام سورۂ مائدہ کی آیات ۳۳-۳۴ میں دیے گئے ہیں اور ان کی تفصیل ہم ان کے محل میں کر چکے ہیں۔ وہاں ہم نے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری حصہ ہم یہاں بھی نقل کیے دیتے ہیں تاکہ آگے کی بحث کے لیے راہ صاف ہو جائے۔ ہمارے الفاظ یہ ہیں۔

جرم کی نوعیت کے مطابق سزا

"اللہ و رسول سے محاربہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ یا جتھہ جرأت و جسارت، ڈھٹائی اور بے باکی کے ساتھ اس نظامِ حق و عدل کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے جو اللہ اور رسول نے قائم فرمایا ہے۔ اس طرح کی کوشش اگر بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہو تو اس کے مقابلے کے لیے جنگ و جہاد کے احکام تفصیل کے ساتھ الگ بیان ہوئے ہیں۔ یہاں بیرونی دشمنوں کے بجائے اسلامی حکومت کے ان اندرونی دشمنوں کی سرکوبی کے لیے تعزیرات کا ضابطہ بیان ہو رہا ہے جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوتے ہوئے، عام اس سے کہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم، اس کے قانون اور نظم کو چیلنج کریں۔ قانون کی خلاف ورزی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ کسی شخص سے کوئی جرم صادر ہو جائے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ شریعت کے عام ضابطہ حدود و تعزیرات کے تحت کارروائی کی جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کی کوشش کرے، اپنے شر و فساد سے علاقے کے امن و نظم کو درہم برہم کر دے، لوگ اس کے ہاتھوں ہر وقت اپنی جان، مال، عزت، آبرو کی طرف سے خطرے میں مبتلا رہیں۔ قتل، ڈکیتی، رہزنی، آتش زنی، اغوا، زنا، تخریب، تہریب اور اس نوع کے سنگین جرائم حکومت کے لیے لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دیں۔ ایسے حالات سے نمٹنے کے لیے عام ضابطۂ حدود و تعزیرات کے بجائے اسلامی حکومت مندرجہ ذیل اقدامات کرنے کی مجاز ہے۔"

اس کے بعد ہم نے رجم کا ماخذ ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔

"اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا" یہ کہ فساد فی الارض کے یہ مجرمین قتل کر دیے جائیں۔ یہاں لفظ 'قتل' کے بجائے 'تقتیل' باب تفعیل سے استعمال ہوا ہے۔ باب تفعیل معنی کی شدت اور کثرت پر دلیل ہوتا ہے اس وجہ سے 'تقتیل' "شر تقتیل" کے معنی پر دلیل ہوگا۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ ان کو عبرت انگیز اور سبق آموز طریقہ پر قتل کیا جائے جس سے دوسروں کو سبق حاصل ہو۔ صرف وہ طریقہ اس سے مستثنیٰ ہوگا جو شریعت میں ممنوع ہے مثلاً آگ میں جلانا۔ اس کے ماسوا دوسرے طریقے جو گنڈوں

اور بدمعاشوں کو عبرت دلانے، ان کو دہشت زدہ کرنے اور لوگوں کے اندر قانون اور نظم کا احترام پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھے جائیں، حکومت ان سب کو اختیار کرسکتی ہے۔ رجم یعنی سنگسار کرنا بھی ہمارے نزدیک 'تقتیل' کے تحت داخل ہے۔ اس وجہ سے وہ گنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کے عزت وناموس کے لیے خطرہ بن جائیں، جو زنا اور اغوا کو پیشہ بنا لیں، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت وآبرو پر ڈاکہ ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں ان کے لیے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے۔"

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں رَجم کی سزا کا کوئی ذکر نہیں ہے، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ اس سزا کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت ۳۳ سے ماخوذ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت میں رَجم کے جو واقعات پیش آئے ان کی اس مخصوص نوعیت کے پیشِ نظر امام بخاریؒ نے اپنی 'الجامع الصحیح' میں انہیں آیتِ محاربہ کے تحت بیان کیا ہے اور 'کتاب المحاربین' ہی میں ایک ایسی روایت بھی لائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں بعض لوگ رجم کی سزا کا ماخذ سورۂ مائدہ کی اس آیت کو سمجھتے تھے۔

اب آیئے ایک اجمالی نظر ان بعض واقعات پر بھی ڈال لیجیے جو عہدِ رسالت میں اس سزا کے نفاذ کے پیش آئے ہیں۔

**ماعز کے جرم کی نوعیت**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رَجم کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ ماعز کے رجم کا ہے۔ اس شخص کے بارے میں کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان میں نہایت عجیب قسم کا تناقض ہے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بدخصلت گنڈا تھا۔ میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رَجم کی سزا دلوائی اور اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی، اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رَجم ٹھہرا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو یہ چپکے سے دبک کے بیٹھ رہتا اور مردوں کی عام موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہوؤں بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہی، لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا اس وجہ سے آپؐ نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آگیا۔ آپؐ نے اس کو بلوا کر نہایت تیکھے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی اس وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ جب یہ اقرار کرلیا تو آپؐ نے اس کے رَجم کا حکم دے دیا اور اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔ اس کے رجم کے بعد لوگوں کا عام تاثر، جو روایات سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ اس شخص کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کے بعد اس کے بارے میں لوگوں کو کفِ لسان کی ہدایت فرمائی، لیکن عام تاثر لوگوں کا یہی تھا۔

یہاں ہم چند روایات اُن کے اصل الفاظ میں نقل کر رہے ہیں تاکہ حسبِ ذیل امور بالکل واضح ہو کر سامنے آجائیں:

ایک یہ کہ ماعزؓ نے بھلے مانسوں کی طرح خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اپنے قبیلہ والوں کے اصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں، اس توقع پر آیا کہ خود حاضر ہو جانے سے غالباً وہ کسی بڑی سزا سے بچ جائے گا، حضورؐ کو اس کے جرم کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اور اس نے آپؐ کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں اقرارِ جرم کیا۔

دوسرے یہ کہ اس کا کردار ایک نہایت بدخصلت گُنڈے کا کردار تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بدمعاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔

تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مغفرت کے لیے دعا کی نہ اس کا جنازہ پڑھا جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کٹر منافق قرار دیا گیا۔

روایات یہ ہیں:

(۱)۔۔۔۔ قال: یا ابن اخی، انا اعلم الناس بھٰذا الحدیث، کنت فیمن رجم الرجل، انا لما خرجنا بہ فرجمناہ فوجد مس الحجارۃ، صرخ بنا: یا قوم ردونی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فان قومی قتلونی، وغرونی من نفسی، واخبرونی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر قاتلی، فلم ننزع عنہ حتیٰ قتلناہ، فلما رجعنا الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخبرناہ، قال: "فھلا ترکتموہ و جئتمونی بہ" لیستثبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ، فاما لترک حد فلا، قال: فعرفت وجہ الحدیث۔

(ابوداؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالکؓ)

۔۔۔۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بھتیجے! میں سب لوگوں سے زیادہ اس بات سے واقف ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اس شخص کو رجم کیا۔ واقعہ یوں ہے کہ ہم نے اسے باہر لا کر سنگسار کرنا شروع کیا، پتھر پڑے تو وہ چیخا: 'لوگو! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لے چلو۔ میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے مروا دیا۔ انہوں نے مجھے دھوکے میں رکھا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل نہیں کرائیں گے'۔ لیکن ہم نے اسے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ پس جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹے اور آپؐ کو اس جزع فزع کے بارے میں بتایا تو آپؐ نے فرمایا: 'تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ تم اسے میرے پاس کیوں نہیں لائے؟' یہ آپؐ نے اس لیے فرمایا کہ آپ حقیقت معلوم کر سکیں۔ آپؐ نے یہ بات حد ساقط کرنے کے لیے نہیں فرمائی تھی، راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد یہ حدیث میری سمجھ میں آگئی۔

(ب) .... فرميناه بجلاميد الحرة (يعني الحجارة) حتى سكت، قال: ثم قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيبا من العشي، فقال: اوكلما انطلقنا غزاة في سبيل الله، تخلف رجل في عيالنا له نبيب كنبيب التيس، على ان لا اوتى برجل فعل ذلك الا نكلت به، قال: فما استغفرله ولا سبه۔

(صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا)

"پس ہم نے اسے وادیٔ حرّہ کے پتھروں سے مارا، یہاں تک کہ وہ ختم ہوگیا، راوی بیان کرتے ہیں کہ اسی دن عصر کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: 'کیا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جب کبھی ہم جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے نکلتے تھے تو ایک ایسا شخص پیچھے ہمارے اہل وعیال میں رہ جاتا تھا جو شہوت کے جوش میں بکرے کی طرح میاتا تھا۔ سنو، مجھ پر لازم ہے کہ اس طرح کی حرکتیں کرنے والا کوئی شخص میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں۔' راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے نہ اس کے لیے مغفرت کی دعا کی اور نہ اسے برا بھلا کہا۔

(ج) عن ابن عباسؓ ان ماعز بن مالك اتى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: 'انه زنى' فاعرض عنه، فاعاد عليه مرارا، فسأل قومه، 'امجنون هو؟' قالوا: 'ليس به باس.' قال: 'افعلت بها؟' قال: 'نعم' فامر به ان يرجم، فانطلق به فرجم ولم يصل عليه۔

(ابوداؤد، كتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالك)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے اقرار کیا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اعراض کیا تو اس نے اپنا یہ اقرار کئی مرتبہ دہرایا۔ اس پر بھی آپ متامل رہے، پھر آپ نے اس کی قوم کے لوگوں سے پوچھا 'کیا یہ پاگل ہے؟' انہوں نے کہا: 'نہیں، یہ بھلا چنگا ہے۔' آپ نے اس سے پوچھا: 'کیا تم نے واقعی اس لڑکی سے بدکاری کی ہے؟' اس نے کہا: 'ہاں۔' پس آپ نے حکم دیا کہ اسے رجم کر دیا جائے چنانچہ اسے لے جایا گیا اور رجم کر دیا گیا اور اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔

(د) .... فامر به فرجم فكان الناس فيه فريقين، قائل يقول: لقد هلك لقد احاطت به خطيئته۔

(صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا)

.... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کے بارے میں حکم دیا اور اُسے رجم کر دیا گیا تو لوگ اس کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے، ان میں سے ایک کی رائے تھی کہ اس کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ یہ ہلاک ہوگیا۔

(ھ) .... فامر به فرجم، فسمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلين من اصحابه يقول احدهما لصاحبه: انظر

.... پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کے بارے میں حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا۔ اس واقعے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے

الیٰ هٰذا الذی ستر الله علیه فلم تدعه نفسه حتی رجم رجم الکلب۔ (ابوداؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک)

سنا: اس بدبخت کو دیکھو، اللہ نے اس کا پردہ ڈھانکے رکھا تھا، لیکن اس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگ سار کر دیا گیا۔

غامدیہ کا واقعہ رجم

ماعز بن مالک اسلمی کے بعد دوسرا بڑا واقعہ غامدیہ کا ہے جو قبیلۂ غامد (قبیلۂ جُہَینہ کی ایک شاخ) کی ایک عورت تھی۔ اس کے بارے میں روایات میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان سے نہ اس کے کردار کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہوتی ہیں نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شادی شدہ تھی۔ تھوڑی بہت تفصیلات جو بیان ہوئی ہیں، ان میں ماعز کے واقعہ ہی کی طرح بہت سے امور باہم متناقض ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں اسے ٹالنے کی کوشش کی، لیکن یہ اپنے اقرار پر مُصر رہی تو آپ نے فرمایا: 'اچھا، نہیں مانتی تو جاؤ، وضعِ حمل کے بعد آنیو'۔ حمل سے فارغ ہو کر وہ بچے کے ساتھ آئی تو آپ نے فرمایا: 'جا اور اس کو دودھ پلا، دودھ چھٹانے کے بعد آئیو'۔ پھر وہ دودھ چھٹانے کے بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جو اس نے بچے کو کھلا کر حضورؐ کو دکھایا۔ تب آپؐ نے اس کے رجم کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے برعکس بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اقرار کیا تو آپؐ نے اسے وضعِ حمل تک ایک انصاری کی نگرانی میں دے دیا۔ وضعِ حمل کے بعد اس نے اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا: 'اسے اس حالت میں رجم نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے چھوٹے بچے کو کوئی دودھ پلانے والا بھی نہیں'۔ اس پر انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا: 'اس کی رضاعت کی ذمہ داری مجھ پر ہے'، اس کے بعد آپؐ نے بغیر کسی توقف کے اس کے رجم کا حکم دے دیا۔

روایات کے مطالعہ سے بیان کا یہ تناقض ہی سامنے نہیں آتا، یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی آزاد قسم کی عورت تھی، جس کا نہ کوئی شوہر تھا، نہ سرپرست جو اس کے کسی معاملے کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار ہوتا۔ وضعِ حمل تک کی مدت اس نے ایک انصاری کے ہاں گزاری، اس کے اقرار سے لے کر سزا کے نفاذ تک، کسی موقع پر بھی اس کے خاندان یا قبیلہ کا کوئی آدمی مقدمہ کی کارروائی کے سلسلہ میں سامنے نہیں آیا۔ اگرچہ غامدیہ کے کردار کے بارے میں روایات محفوظ نہیں ہو سکیں، لیکن ہمارے نزدیک اس کا معاملہ بھی ماعز کی طرح کا تھا جس کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرایا۔

اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بہت سی ڈیرے دالیاں ہوتی تھیں جو پیشہ کراتی تھیں اور ان کی سرپرستی زیادہ تر یہودی کرتے تھے جو ان کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ان لوگوں کا بازار سرد پڑ گیا، لیکن اس قسم کے جرائم پیشہ آسانی سے باز نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں زیرِ زمین یہ پیشہ کرتے رہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے۔ بالآخر جب وہ قانون کی گرفت میں آئے تو سورۂ مائدہ کی اسی آیتِ محاربہ کے تحت جس کا حوالہ اوپر گزرا، آپؐ نے ان کو رجم کرایا۔

زنا بالجبر کے جرم کو رجم کی سزا

زنا بالجبر کا جرم بھی چونکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے حرابہ اور فساد فی الارض ہی کے قبیل سے ہے، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مرتکب کو، مجرد زنا کی سزا یعنی سو کوڑے کے بجائے سورۂ مائدہ کی آیت محاربہ کے تحت رجم ہی کی سزا دی ہے۔ اس مقدمہ میں مجرم، نماز کے لیے جاتی ہوئی ایک خاتون پر سرِراہ حملہ آور ہونے کی وجہ سے چونکہ کسی رعایت کا مستحق نہیں تھا، اس لیے آپ نے اس کے شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہونے کے بارے میں بھی کسی تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ حدیث میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

عن علقمة بن وائل عن ابيه، ان امرأة خرجت على عهد النبي صلى الله عليه وسلم تريد الصلوٰة، فتلقاها رجل، فتجللها فقضى حاجته منها، فصاحت، وانطلق فمرّ عليها رجل، فقالت: ان ذاك فعل بي كذا وكذا. ومرّت عصابة من المهاجرين فقالت: ان ذلك الرجل فعل بي كذا وكذا، فانطلقوا، فاخذوا الرجل الذى ظنت انه وقع عليها فاتوها به، فقالت: نعم، هو هذا، فاتوا به النبي صلى الله عليه وسلم، فلما امر به قام صاحبها الذى وقع عليها، فقال: يا رسول الله، انا صاحبها، فقال لها: اذهبي فقد غفر الله لك، وقال للرجل قولاً حسناً. (قال ابوداؤد: يعني الرجل المأخوذ) وقال للرجل الذى وقع عليها: ارجموه۔

(ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی صاحب الحد یجیٔ فیقر، والترمذی، ابواب الحدود)

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلی تو راستے میں ایک شخص نے اسے دیکھا۔ پس اس نے اس پر غلبہ پالیا اور اپنے نفس کی پیاس بجھائی۔ اس پر وہ چیخی چلائی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اسی اثنا میں ایک آدمی کا گزر اس طرف سے ہوا تو اس عورت نے اسے بتایا کہ ایک شخص نے اس طرح اسے رسوا کیا ہے۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ مہاجرین میں سے ایک گروہ بھی اس طرف آنکلا۔ اس نے انہیں بھی اپنی روداد سنائی تو وہ بھاگے اور اس شخص کو پکڑ لیا جس کے بارے میں اس عورت کا خیال تھا کہ اس نے اس سے زیادتی کی ہے۔ پس وہ اسے اس کے پاس لے آئے تو اس نے کہا: 'ہاں، یہ وہی ہے'۔ چنانچہ وہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو آپ نے بلا تامل اسے سزا دینے کا حکم دے دیا۔ یہ دیکھ کر اصل مجرم کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: 'اے اللہ کے رسول، یہ میں تھا جس نے اس عورت سے زیادتی کی۔' اس پر آپ نے اس عورت سے کہا: 'جا، اللہ نے تجھے معاف کر دیا'، اور اس شخص سے کلماتِ خیر فرمائے جو شبہ میں پکڑا گیا تھا، پھر اس شخص کے بارے میں جس نے اس عورت سے بدکاری کی تھی، فرمایا: 'اسے رجم کر دو'۔

خلاصۂ بحث

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رجم کی سزا کے جو واقعات احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ عام قسم کے زانیوں کے واقعات نہیں ہیں، بلکہ ان بدقماشوں کے واقعات ہیں جو اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں، کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اور اس فعلِ قبیح کو بطور پیشہ کے اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ قانون کے ہاتھ ان کی گردن تک پہنچنے ہی والے ہیں تو اس قبیل کے مجرموں کی عام نفسیات کے مطابق اعتراف و اقرار کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں تاکہ معاشرے اور قانون، دونوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجرموں کے شادی شدہ ہونے کی تحقیق بھی فرمائی، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے قوانین کی طرح اسلامی شریعت کا بھی یہ مسلّمہ اصول ہے کہ حدود و تعزیرات کے نفاذ میں مجرم کے احوال کی رعایت کی جانی چاہیے۔ اس رعایت میں عمر، شادی، دماغی حالت، ماحول، غرض ہر وہ چیز جو جرم کی محرک یا اس کے ارتکاب میں رکاوٹ بن سکتی ہے، عدالت کے پیشِ نظر رہے گی۔ احادیث میں 'ثیّب' و 'بکر' کے الفاظ آتے ہیں، ان ۲ اطلاق عربیت کی رو سے جس طرح شادی شدہ اور غیر شادی شدہ پر ہوتا ہے، اسی طرح پختہ عمر کے آدمی اور اکثر نوجوان پر بھی ہوتا ہے۔ ہمارے فقہا کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے مجرم کی حالتوں میں سے ایک حالت کو مناطِ حکم قرار دے دیا، دراں حالیکہ اس کا تعلق مناطِ حکم سے نہیں ہے، اس طرح کی چیزیں تو ہر جرم کی سزا نافذ کرتے وقت ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ لہٰذا آیتِ زیرِ بحث کو جو لوگ منسوخ مانتے ہیں، ان کا خیال ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ قرآن کی کوئی آیت قرآن کے سوا کسی دوسری چیز سے منسوخ نہیں ہوئی ہے اور یہ ناسخ و منسوخ، دونوں قرآن میں موجود ہیں۔ منسوخ ہونا تو الگ رہا، اگر کسی آیت کی تحدید و تخصیص بھی ہوئی ہے تو اس کے قرائن و اشارات یا تو آیت کے سیاق و سباق اور اس کے موقع و محل میں مضمر ہیں یا خود قرآن کے دوسرے مقامات میں موجود ہیں۔

**عبادہ بن صامتؓ کی روایت کا صحیح محل**

اس روشنی میں اگر عبادہ بن صامتؓ کی روایت کی تاویل کیجیے تو اس کا بھی ایک موقع و محل نکل آتا ہے، وہ یوں کہ اس میں جو حرف 'و' ہے اس کو جمع کے بجائے تقسیم کے مفہوم میں لیجیے یعنی کوئی زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ، دونوں کی اصل سزا تو جلد (تازیانہ) ہی ہے لیکن اگر کوئی کنوارا تازیانہ کی سزا سے قابو میں نہیں آ رہا ہے تو حکومت اس کو، اگر مصلحت دیکھے، مائدہ کی مذکورہ بالا آیت کے تحت جلا وطنی کی سزا بھی دے سکتی ہے اس لیے کہ اس آیت میں 'نفی' (جلا وطنی) کا اختیار بھی حکومت کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی کی اصل سزا، جیسا کہ روایت سے واضح ہے، ہے تو تازیانہ ہی لیکن اگر کوئی شخص تازیانہ کی سزا سے قابو میں نہیں آ رہا ہے اور معاشرے کے لیے ایک خطرہ بن چکا ہے تو اس کو حکومت 'تقتیل' یعنی رجم کی سزا از روئے سورۂ مائدہ دینے کا اختیار رکھتی ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (۳)

**خبر نہی کے مفہوم میں**

'لَا یَنْکِحُ' یہاں خبر کے مفہوم میں نہیں بلکہ نہی کے مفہوم میں ہے۔ نہی کے اندر جب نہی کے ساتھ ارشاد و موعظت کا مفہوم بھی ہو تو وہ خبر کی صورت میں آتی ہے۔ اس اسلوب کی وضاحت بقرہ ۲۲۱ کے تحت ہو چکی ہے۔ یہاں مقصود مسلم معاشرہ کی حسِ ایمانی کو بیدار کرنا ہے کہ تمھارے اندر زنا سے وہ

نفرت و بیزاری ہونی چاہیے کہ کوئی زانی اگر تمہارے اندر نکاح کرنا چاہے تو کوئی صاحبِ ایمان اس کو اپنی بیٹی دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس کو اگر نکاح کے لیے ملے تو کوئی زانیہ یا مشرکہ ہی ملے، کوئی مومنہ اپنے آپ کو اس کے حبالۂ عقد میں دیتے پر راضی نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی زانیہ ہو تو کوئی باایمان اس سے نکاح نہ کرے۔ اس کو اگر کوئی نکاح کے لیے ملے تو کوئی زانی یا مشرک ہی ملے، کوئی مسلمان اس نجاست کو اپنے گھر میں لانے پر راضی نہ ہو۔ فرمایا کہ 'وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ' زانیوں اور زانیات کے ساتھ ازدواجی رشتہ اہلِ ایمان کے لیے حرام ہے۔

زنا اور شرک کی باہمی مشابہت

آیت میں زانی اور مشرک اور زانیہ اور مشرکہ کا ایک ساتھ ذکر بڑا معنی خیز ہے۔ زنا اور شرک کی باہمی مشابہت پر ہم اس کتاب میں جگہ جگہ لکھ چکے ہیں۔ قدیم آسمانی صحیفوں میں مشرک کو چھنال عورت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ہم اس کے محل میں اس تشبیہ کی بلاغت واضح کر چکے ہیں۔ زنا اسی طرح کی اخلاقی نجاست ہے جس طرح کی عقائدی نجاست شرک ہے۔ قرآن میں اسی وصفی اشتراک کی وجہ سے شرک اور مشرکین کو نجس کہا بھی گیا ہے۔

مسلم معاشرہ کی حسِ ایمانی کی بیداری کی ضرورت

معاشرہ کی ایمانی حس کو بیدار کرنے کی یہ ضرورت اس وجہ سے تھی کہ مجرد قانون، خواہ وہ کیسا ہی بے لاگ اور حکیمانہ ہو، معاشرہ کی حفاظت اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک خود معاشرہ کے اندر برائی سے نفرت موجود نہ ہو۔ ہر قانون کے نفاذ کے لیے، بالخصوص جب کہ وہ ایک سخت قانون بھی ہو، لازماً ایسی شرطیں ہوتی ہیں کہ بہت سے مجرمین اپنے آپ کو اس کی زد سے بچائے رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے مجرمین سے نمٹنا خود معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اپنی آنکھوں میں جگہ نہ دے بلکہ وہ جہاں بھی رہیں نکو بن کے رہنے پر مجبور ہوں۔ اگر وہ کسی شریف مسلمان سے رشتہ داری کے خواہش مند ہوں تو وہ ان کی درخواست ٹھکرا دے یہاں تک کہ اس طرح کے لوگ کسی شریف خاندان میں قرابت کا حوصلہ ہی نہ کر سکیں۔ یہ بیداری جرائم کے سدباب کے لیے ناگزیر شے ہے۔

اس دور کی آفات میں سے صرف یہی ایک آفت نہیں ہے کہ حدود و تعزیرات اسلامی نہیں ہیں بلکہ اس سے بڑی آفت یہ ہے کہ لوگوں کے اندر حسِ اسلامی نہیں ہے۔ اس زمانے میں اگر کوئی اپنی لڑکی کے لیے بر تلاش کرتا ہے تو اس کے اندر تمام وہ اوصاف تلاش کرتا ہے جو دنیاوی وجاہت کے پہلو سے ضروری خیال کیے جاتے ہیں لیکن بہت تھوڑے لوگ اب ایسے رہ گئے ہیں جو معاملہ کے اس پہلو کو نگاہ میں رکھتے ہوں جس کی طرف آیت میں رہنمائی فرمائی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۴-۵)

**قذف کے معاملہ میں شہادت اور سزا کا قانون**

اب یہ قذف کے معاملہ میں شہادت اور سزا کا قانون بیان ہو رہا ہے کہ شریف اور آزاد مومنات پر جو لوگ زنا کی تہمت لگائیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جرم کے چار عینی شاہد پیش کریں۔ اگر وہ چار گواہ معتبر نہ پیش کر سکیں تو پھر حکم ہے کہ ان کو اسّی کوڑے مارو اور ہمیشہ کے لیے ان کو ساقط الشہادت قرار دے دو۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اسلامی معاشرہ میں کسی کا ہمیشہ کے لیے مردود الشہادۃ قرار دے دیا جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ معاشرے کے اندر یہ اس کی عرفی حیثیت کے بالکل ختم ہو جانے کے ہم معنی ہے۔ اس امت کا اصلی مرتبہ یہ ہے کہ یہ 'شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ' ہے۔ اگر کوئی شخص ساقط الشہادت قرار دے دیا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس امت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کو جو اصلی سرفرازی حاصل ہوئی تھی وہ اس نے کھو دی۔

'اَلَّذِیْنَ' اگرچہ مذکر کے لیے آتا ہے لیکن اگر کوئی عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے اس وجہ سے یہ لفظ عورت اور مرد دونوں کے لیے علی سبیل التغلیب عام ہو گا۔

لفظ 'مُحْصَنٰتٌ' اس طرح کے سیاق میں 'حرایر' یعنی لونڈیوں کے مقابل میں شریف زادیوں کے لیے آتا ہے اس وجہ سے جو لوگ لونڈیوں اور غلاموں کے معاملے میں اس کی نصف سزا کے قائل ہیں ان کی بات مبنی بر دلیل ہے۔

توبہ اور اصلاح کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح کے لوگوں کے گناہ تو معاف ہو جائیں گے لیکن جہاں تک ساقط الشہادت ہونے کا تعلق ہے یہ چیز بدستور باقی رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور دل کا حال صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ آیت کے الفاظ سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ مغفرت کا تعلق صرف توبہ سے ہے۔ 'شہادت' سے اس کا تعلق نہیں ہے وہ ساقط الشہادت 'اَبَدًا' یعنی عمر بھر کے لیے رہیں گے۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

**لعان کا ضابطہ**

اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کی ذات کے سوا اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں معاملہ کا فیصلہ قسم سے ہو گا۔ اس کو اصطلاحِ شریعت میں 'لعان' کہتے ہیں۔ اس کی شکل یہ ہو گی کہ مرد چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ میں جو الزام لگا رہا ہوں اس میں سچا ہوں۔ پانچویں

بار یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹ الزام لگا رہا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر عورت مرد کی اس قسم کی کوئی مدافعت نہ کرے تو اس پر زنا کی وہی حد جاری ہو جائے گی جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ اور اگر وہ اس الزام کو تسلیم نہیں کرتی تو اس کے لیے سزا سے بریت اس صورت میں ہو گی جب وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ شخص سچ کہہ رہا ہے۔

'وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ' میں 'عذاب' سے مراد ظاہر ہے کہ وہی حد ہے جو اوپر آیت ۲ میں مذکور ہوئی ہے۔ اس کے سوا کسی اور سزا کو اس سے مراد لینا عربیت کے بالکل خلاف ہو گا۔

اگر کسی میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کی تکذیب اور باہمدگر ملاعنت کا یہ واقعہ پیش آ جائے تو فقہاء کی یہ رائے ہے کہ قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے گا۔ یہ رائے مبنی بر حکمت معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ معاملہ اس حد تک خراب ہو جانے کے بعد ان کے درمیان اس سازگاری کی توقع نہیں کی جا سکتی جو میاں بیوی کی طرح زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ (۱۰)

ایک تنبیہ — یہ آیت، جیسا کہ پہلی آیت میں اشارہ ہو چکا ہے، بطور تنبیہ و تذکیر ہے اور اس میں جواب شرط عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق، محذوف ہے۔ آگے آیت ۱۴ میں اس محذوف کو کھول بھی دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے فضل و رحمت اور اس کے توّاب و حکیم ہونے کی برکت ہے کہ وہ تم کو یہ روشن ہدایات اور واضح و پُر حکمت احکام دے رہا ہے کہ تمہارے لیے توبہ و اصلاح کی راہ کھولے ورنہ تم جس روش پر چل پڑے تھے یہ تو خدا کے غضب کو دعوت دینے والی تھی۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ احکام اس زمانہ میں نازل ہوئے ہیں جب مسلمانوں کے اندر، منافقین کی ریشہ دوانیوں سے، بعض نہایت سخت قسم کی، جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے، کمزوریاں ظاہر ہوئی تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کمزوریوں پر سزا دینے کے بجائے اپنے فضل و رحمت سے ان کو ان احکام و ہدایات کے نزول کا سبب بنا لیا جو اسلامی معاشرہ کو شیاطین و منافقین کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھے۔

## ۲۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۱-۲۶

آگے فتنۂ افک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس موقع پر مسلمانوں کی ایک جماعت سے صادر ہوئیں کہ وہ بھی منافقین کے اٹھائے ہوئے فتنہ میں نادانستہ شریک ہو گئے اور بے سوچے سمجھے اسی طرح کی باتیں بولنے لگے جس قسم کی باتیں منافقین پھیلانی چاہتے تھے۔ حالانکہ مسلمانوں کے باہمی تعلق کی بنیاد اعتماد اور کامل حسن ظن پر ہونی چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے دوسرے بھائی بہن کی نسبت کوئی بُرا

بات سنے تو اس وقت تک وہ اس کو قبول نہ کرے اور نہ زبان پر لائے جب تک اس کی پوری تحقیق نہ ہو جائے۔ اسی سلسلہ میں منافقین اور ان کے سرپرستوں کی در پردہ اس خواہش اور کوشش کا سراغ دیا ہے کہ وہ طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ اکھاڑ دینے کے درپے ہیں اس وجہ سے ان سے پوری طرح ہوشیار رہنا چاہیے اور خود اپنے ہاتھوں ان کی مقصد برآری کا سامان نہیں کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے جو ضروری ہدایات ہیں وہ بھی اسی ذیل میں دی گئی ہیں اور جو لوگ بالکل نادانستہ اس فتنہ میں ملوث ہو گئے تھے ان سے درگزر کی ہدایت بھی فرمائی گئی —— اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ ۖ آیات
بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَ ۱۱-۲۶
الَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ
ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ
مُبِينٌ ﴿١٢﴾ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا
بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ
اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ
فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ
مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾
وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَٰذَا ۖ
سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ
أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ

ع ۲ النصف رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ

مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ

اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ

الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا

ع ۳ ۹ يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾

ترجمہ آیات ۱۱ تا ۲۶

جن لوگوں نے فتنہ افک برپا کیا وہ تمہارے ہی اندر کا ایک گروہ ہے۔ تم اس چیز کو اپنے لیے بُری نہ خیال کرو بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے جو گناہ کمایا وہ اس کے حساب میں پڑا اور جو اس فتنہ کا اصل بانی ہوا ہے اس کے لیے تو ایک عذاب عظیم ہے۔ ۱۱

ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی

بابت نیک گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا ہوا بہتان ہے! ۱۲

آخر یہ لوگ اپنے اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ کیوں نہ لائے! تو جب یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو لازماً اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ ۱۳

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، دنیا اور آخرت میں، تو جس چیز میں تم ملوث ہو گئے تھے اس کے باعث تم کو ایک عذابِ عظیم آ پکڑتا۔ خیال کرو جب تم اپنی زبانوں سے وہ بات نقل کر رہے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کی بابت تمھیں کوئی علم نہیں تھا! اور تم اس کو معمولی بات خیال کر رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ ایک بہت بڑی بات ہے! ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کو سنتے ہی تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ایسی بات زبان پر لائیں! معاذ اللہ یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے! ۱۴-۱۶

اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی بات تم سے پھر کبھی صادر نہ ہو۔ اور اللہ تمھارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کیے دے رہا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۱۷-۱۸

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں ایک دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ رؤوف و رحیم نہ ہوتا تو تم ایک آفت میں پھنس جاتے۔ ۱۹-۲۰

اے لوگو جو ایمان لائے ہو شیطان کے نقوشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ اور جو شیطان کے نقوشِ قدم کی پیروی کرتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ شیطان ہمیشہ بے حیائی اور برائی کی راہ سجھاتا ہے۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہو سکتا۔ بلکہ اللہ

ہی ہے جو پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ سمیع و علیم ہے۔ ۲۱

اور جو تم میں صاحبِ فضل اور کشادہ حال ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ قرابت مندوں، مسکینوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کریں گے بلکہ عفو و درگذر سے کام لیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخشے! اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ۲۲

بے شک جو لوگ پاکدامن، بھولی بھالی، باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہوئی اور ان کے لیے ایک بڑا عذاب ہے۔ اس دن جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے سامنے ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ ان کا واجبی بدلہ پورا کر دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق اور واضح کر دینے والا ہے۔ ۲۳-۲۵

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہوں گی اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہوں گی اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔ یہ لوگ بری ہوں گے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔ ۲۶

---

## ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۱)

فتنۂ افک 'اِفْكٌ' جھوٹی، من گھڑت، خود تراشیدہ اور خلافِ حقیقت بات کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے اشارہ اس فتنہ کی طرف ہے جو غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو متہم کرنے کے لیے برپا کیا۔ بعض جھوٹ ایسے ہوتے ہیں جن کا ذکر بھی زبان پر لانا گوارا نہیں ہوتا اور یہ جھوٹ تو تمام مسلمانوں کی ماں سے متعلق تراشا گیا تھا اس وجہ سے قرآن نے اس کی طرف لفظ 'افک' سے اشارہ کر کے اس کو نظرانداز کر دیا۔ بس اتنا پتہ دے دیا کہ اس کے ایجاد

کرنے والے اور اس کو پھیلانے والے کون لوگ ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ جس منبع فساد سے یہ بات چلی ہے اس کی پھیلائی ہوئی بات بجائے خود نہ قابلِ ذکر ہے اور نہ لائقِ غور و تحقیق البتہ اس سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں وہ سب کے لیے حرزِ جان بنانے کے قابل ہیں۔ چنانچہ قرآن نے نفسِ واقعہ کی نوعیت کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذی فہم مسلمانوں کے اندر نفسِ واقعہ کے افترا و بہتان ہونے سے متعلق کوئی تردد نہیں پایا جاتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ منافقین کا اٹھایا ہوا فتنہ ہے لیکن جب کوئی سنسنی پیدا کرنے والی بات عوام میں پھیلا دی جاتی ہے تو جو لوگ زیادہ معاملہ فہم نہیں ہوتے وہ بے سمجھے بوجھے اس کی نقل و روایت شروع کر دیتے ہیں۔[1]

منافقین کی طرف اشارہ

'عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ' سے اشارہ منافقین کے اس مارِ آستین گروہ کی طرف ہے جو مسلمانوں کے اندر گھسا ہوا تھا۔ ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ چونکہ اپنے ظاہری طور طریق میں یہ لوگ مسلمانوں سے الگ نہیں تھے اس وجہ سے ان کو مسلمانوں کے اندر گھس کر اپنا زہر پھیلانے کا موقع مل جاتا اور بہت سے سادہ لوح مسلمان ان کے چکموں میں آجاتے۔ یہاں قرآن نے 'عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ' کہہ کر انہی کی طرف انگلی اٹھائی ہے اور مقصود اس اشارے سے مسلمانوں کو ان کی طرف سے ہوشیار کرنا ہے کہ یہ تمہارے اندر ہی گھسے ہوئے ایک گروہ کا اٹھایا ہوا فتنہ ہے، ان سے ہوشیار رہو۔

اس فتنہ کے اندر خیر کے پہلو

'لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ' یعنی ان شریروں نے یہ فتنہ جو اٹھایا یہ تمہارے حق میں برا نہیں ہوا بلکہ اگر تم اس سے صحیح فائدہ اٹھاؤ تو اس میں تمہارے لیے بہت سے پہلو خیر کے ہیں۔

خیر کا ایک نمایاں پہلو تو اس کے اندر یہی تھا کہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اپنے اندر کے ایک

---

[1] تاریخ و سیرت کی کتابوں سے واقعہ کی نوعیت صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی مصطلق (واقع ۵ھ) سے مدینہ منورہ واپس ہو رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک الگ اونٹ پر ہم سفر تھیں۔ راستہ میں فوج نے شب میں کہیں پڑاؤ ڈالا۔ فوج کے کوچ سے پہلے ام المومنینؓ ضرورت سے باہر نکلیں۔ اتنے میں فوج کے کوچ کا حکم ہو گیا۔ قافلہ روانہ ہو گیا، اور ساتھ ہی ام المومنینؓ کا ساربان بھی یہ سمجھ کر روانہ ہو گیا کہ آپ اپنے ہودج میں سوار ہیں۔ ام المومنینؓ جب جگہ پر واپس آئیں اور دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو گیا تو شب میں اس کے سوا انھیں کوئی اور تدبیر نظر نہیں آئی کہ وہیں ٹھہر جائیں تاآنکہ اللہ تعالیٰ کوئی راہ پیدا کرے۔ حضرت صفوان صحابیؓ اس خدمت پر مامور تھے کہ وہ قافلہ کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ بھولی بسری چیزوں کا جائزہ لے سکیں۔ جب صبح کو وہ پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے اور دیکھا کہ ام المومنینؓ پیچھے رہ گئیں تو انھوں نے 'اِنَّا لِلّٰہ' پڑھا۔ بالآخر اپنا اونٹ بٹھایا۔ ام المومنینؓ اس پر سوار ہو گئیں اور انھوں نے مہار پکڑ کر اونٹ کو قافلے سے جا ملایا۔ فوج کے کوچ و مقام کے دوران میں اس قسم کے واقعہ کا پیش آجانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ لیکن منافقین نے اسی ذرا سی بات کو ایک افسانہ بنا ڈالا۔

مارِ آستین گروہ کو اچھی طرح پہچان لینے کا موقع مل گیا۔ اگر یہ موقع نہ پیدا ہوتا تو معلوم نہیں اندر ہی اندر یہ سرطانی پھوڑا کیا شکل اختیار کرتا اور اس سے کیا مفاسد ظہور میں آتے!

دوسرا خیر کا پہلو اس کے اندر یہ نکلا کہ مسلمانوں کے اندر جو بعض کمزوریاں دبی ہوئی تھیں وہ اس امتحان سے اُبھر کر سامنے آگئیں اور بروقت ان کی اصلاح و تدبیر ہو گئی۔ معاشرہ کے تزکیہ کے نقطۂ نظر سے اس کی جو اہمیت ہے وہ بالکل واضح ہے۔

تیسرا پہلو اس میں خیر کا یہ ہے کہ اس واقعہ نے معاشرہ کی اصلاح و تنظیم سے متعلق بہت سے احکام و ہدایات کے نزول کے لیے ایک نہایت سازگار فضا پیدا کر دی۔ اگر اس فضا کے پیدا ہوئے بغیر یہ احکام اترتے تو بہت سے لوگوں پر ان کی حقیقی قدر و قیمت واضح نہ ہو سکتی۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ كِبْرٌ

بانیِ فتنہ کی طرف اشارہ

کسی جرم یا گناہ کے اصل اور بڑے حصہ کو کہتے ہیں۔ 'الَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ' یعنی جو اس فتنہ کا اصل برپا کرنے والا ہوا ہے۔ یہ اشارہ عبداللہ بن اُبَی کی طرف ہے۔ یہ نہایت خبیث منافق تھا۔ اس سے پہلے بھی یہ متعدد فتنے برپا کر چکا تھا اور اس فتنے کی تو ساری ذمہ داری اصلاً اسی پر تھی۔ اوپر کے ٹکڑے میں مسلمانوں کو تسلی تھی کہ تمہارے لیے تو یہ فتنہ ہر اعتبار سے موجبِ خیر ہی ہوا ہے البتہ ان اشرار و مفسدین کے لیے یہ باعثِ ہلاکت ہوا۔ ان میں سے جس نے جس درجہ کا اس فتنہ میں حصہ لیا ہے وہ اپنے درجے کے اعتبار سے اس کی سزا بھگتے گا اور جو اس سارے طوفان کا اصل بانی ہے اس کے لیے تو آخرت میں ایک عذابِ عظیم ہے۔

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ (۱۲)

اسلامی معاشرہ کا اخلاقی اصول

اسلامی معاشرے میں ہر مسلمان مرد و عورت کا یہ حق ہے کہ دوسرے افرادِ معاشرہ ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں اور اس وقت تک ان کے اس حق کا احترام کریں جب تک دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ اس حسنِ ظن کے حق دار باقی نہیں رہے۔ اس حق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کسی مسلمان کے کان میں کوئی ایسی بات پڑے جو اس حسنِ ظن کو مجروح کرنے والی ہو تو وہ اس کو ایک سوغات سمجھ کر فوراً قبول نہ کر لے اور اس کی نقل و روایت نہ شروع کر دے بلکہ اس کو رد کر دے اور اس وقت تک اس کو باور نہ کرے جب تک اس کے سامنے اس کا کوئی معقول ثبوت نہ آجائے۔ اس طرح کے معاملات میں غیر جانبداری کا رویہ بھی جائز نہیں ہے کہ آدمی اس کو پرایا جھگڑا سمجھ کر نظر انداز کر دے کہ دوسرا بدنام ہو رہا ہے، مجھے اس قضیے سے کیا سروکار! بلکہ حتیٰ الامکان اسے اپنے بھائی کی مدافعت کرنی چاہیے، اس لیے کہ ہر مسلمان پر اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی عزت و آبرو کی حفاظت ایک فرض ہے۔ اسلامی معاشرہ کے اسی اخلاقی اصول پر یہاں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ جب تمہارے کانوں میں یہ بات پڑی تو آخر تم نے ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ ظن سے کام کیوں نہ لیا اور صاف صاف یہ کیوں نہ اعلان کر دیا کہ یہ کھلا ہوا بہتان اور ایک صریح

تہمت ہے۔

**ہمارے معاشرہ کا فسادِ مزاج**

ایک طرف اسلامی معاشرے کے اس اخلاقی اصول کو سامنے رکھیے اور دوسری طرف اپنے معاشرے کا جائزہ لیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج اس کے بالکل برعکس اصول کارفرما ہے۔ آج نظریہ یہ ہے کہ ہر شخص سوءِ ظن کا مستحق ہے الا آنکہ کسی شخص کے ساتھ اپنی کوئی شخصی یا گروہی غرض وابستہ ہو اور دوسروں کی نسبت سنسنی پیدا کرنے والی افواہیں پھیلانا تو اس زمانے میں ایک مستقل فن اور ایک نہایت کامیاب پیشہ بن گیا ہے۔ ہماری قوم میں کتنے اہلِ قلم ہیں جن کا پیشہ ہی یہی ہے کہ وہ اسی طرح کی افواہوں کی تلاش میں

ہوئی صبح اور رکھ کر کان پر گھر سے قلم نکلے

یہ افواہیں نہایت جلی عنوانات سے اخبارات و رسائل میں چھپتی ہیں اور سب سے زیادہ کامیاب اخبارات و رسائل وہی ہیں جو اس طرح کی افواہیں ایجاد کرنے میں سب سے زیادہ شاطر ہیں۔ معاشرے کے فسادِ مزاج کا حال یہ ہے کہ لوگ اس طرح کی چیزیں پڑھتے ہیں اور هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ کہنا تو درکنار ان کی ہر بات پر اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہتے اور وحی و الہام سمجھ کر ان کی نقل و روایت کرتے ہیں۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (۱۳)

**الزام کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کا مطالبہ**

یعنی ان مفتریوں کی بات لائقِ اعتنا ہو سکتی تھی تو اس صورت میں ہو سکتی تھی جب یہ شریعت کے مقرر کردہ قانون کے مطابق اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش کرتے۔ یہ امر واضح رہے کہ اس طرح کے الزام کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی شہادت کا قانون اس سے بہت پہلے سورۂ نساء آیت ۱۵ میں نازل ہو چکا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان مفسدوں نے یہ الزام لگایا تھا تو ان کی شرعی اور قانونی ذمہ داری یہ تھی کہ یہ چار گواہ پیش کرتے لیکن جب وہ چار گواہ پیش نہ کر سکے تو خدا کے قانون کی رُو سے تو وہی جھوٹے ہیں۔ پھر جن لوگوں نے ان کی طرف سے ثبوت فراہم ہوئے بغیر ان کی بات باور کر لی، آخر کس سند کی بنیاد پر باور کر لی؟

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۴)

**مسلمانوں کو پھر تنبیہ**

'افاض فی الحدیث' کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بات میں سے بات نکالتے ہوئے آدمی کہیں سے کہیں جا پہنچے اور بات کا بتنگڑ بنا ڈالے۔ آیت ۱۰ کے بعد یہ پھر مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ اس معاملے میں تم جس جوش پر چل نکلے تھے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم کو ایک عذابِ عظیم آ پکڑتا لیکن تم پر دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کی رحمت ہے اس وجہ سے اس نے درگزر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اس فضل و رحمت کی قدر کرو، ایسا نہ ہو کہ کسی اسی طرح کے فتنہ میں پھر مبتلا ہو کر اپنے آپ کو مستحق عذاب بنا ڈالو۔

یہ خطاب سارے معاشرے سے ہے حالانکہ اس معاملے میں ملوث ہونے والے یا سہل انگاری و بے پروائی کو راہ دینے والے زیادہ لوگ نہیں تھے۔ اس خطابِ عام کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کے مفاسد کی نوعیت

وبائی امراض کی ہے۔ اگر چند افراد کے اندر بھی اس کا ظہور ہو تو ہر شخص کو خطرہ سے آگاہ ہو جانا چاہیے کہ مبادا یہ وبا عام ہو جائے اور پھر اس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ خدا کی پکڑ میں آجائے۔

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ (۱۵)

نقل و روایت کے معاملہ میں احتیاط کی ہدایت

یہ اسی بات کی سنگینی کا اظہار ہے جس کو کچھ لوگوں نے ایک معمولی بات سمجھ کر بے تکلف اس کی نقل و روایت شروع کر دی اور یہ انھوں نے نہ سوچا کہ جس چیز کو وہ معمولی سمجھ رہے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بڑی ہی سنگین بات ہے۔ کسی بات کو قبول کرنے کا اصلی راستہ عقل ہے نہ کہ زبان اور نقل و روایت کے قابل وہ بات ہوتی ہے جس کی بنیاد قابلِ اعتماد علم پر ہو نہ کہ افواہ پر۔ اگر عقل کو آدمی معطل کر دے اور اس کے پاس صرف گز بھر کی زبان رہ جائے تو نقد و درایت کے بغیر وہ کان میں پڑی ہوئی ہر بات کی روایت شروع کر دے گا اور اس طرح وہ خود بھی شیطان کے پھیلائے ہوئے فتنہ میں مبتلا ہو گا اور دوسروں کو بھی مبتلا کرے گا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اسی خطرہ سے آگاہ کیا گیا ہے کہ اس معاملہ میں کچھ لوگوں نے عقل کے بجائے صرف زبان کو قبولِ روایت کا ذریعہ بنایا اور علم کے بجائے محض ایک افواہ کی روایت شروع کر دی۔ انھوں نے یہ بات ایک معمولی بات سمجھی حالانکہ اپنے نتائج و عواقب کے اعتبار سے یہ چیز نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک جرمِ عظیم ہے۔

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (۱۶)

'سُبْحٰنَكَ' یہاں بالکل اسی مفہوم میں ہے جس مفہوم میں ہم 'مَعَاذَ اللّٰهِ' بولتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمھارے سامنے ایک ایسی بات آئی تھی جو ثبوت و شہادت سے بالکل عاری تھی اور جس کی زد صرف ایک مؤمنہ کے عزت و ناموس ہی پر نہیں بلکہ ام المومنینؓ کے عزت و ناموس پر پڑ رہی تھی تو تم نے اس کو سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ بے ثبوت و شہادت کسی مومنہ کی شان میں ایسی بات زبان سے نکالنے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔ 'مَعَاذَ اللّٰهِ' یہ صریح بہتان ہے!

ان آیات سے روایت و درایت اور قبولِ روایت سے متعلق جو اصول نکلتے ہیں وہ بڑے اہم ہیں۔ اگر بحث کے اپنے حدود سے متجاوز ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ان کو واضح کرنے کی کوشش کرتے۔ اصحابِ علم ان آیات کے اس پہلو پر نگاہ رکھیں۔

يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱۷-۱۸)

تنبیہ مزید

لفظ 'وَعْظ' کے اندر زجر اور نہی کا مفہوم خود مضمر ہے اس وجہ سے اس کے بعد حرف 'لَا' کے لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آیتیں بھی اسی طرح بطور تنبیہ ہیں جس طرح اوپر تین آیتیں گزر چکی ہیں۔ اس سورہ میں جو

ہدایات دی گئی ہیں وہ خدا کے قہر و غضب سے محفوظ رہنے کے لیے نہایت ضروری ہیں اس وجہ سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہ تنبیہات بار بار آ رہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تمھیں تنبیہ کر رہا ہے کہ ایسی حرکت آئندہ پھر کبھی تم سے صادر نہ ہو۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ' یعنی اس طرح کی باتوں سے احتراز ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر ان سے احتراز نہ کیا گیا تو ایمان کا دعویٰ بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ 'وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ الاية' یعنی اللہ نے اپنی ہدایات اچھی طرح واضح کر دی ہیں، اب ذمہ داری تمھاری ہے۔ اور یہ یاد رکھو کہ اللہ علم و حکمت والا ہے اس وجہ سے جو کچھ اس نے بتایا ہے اسی میں تمھارے لیے خیر و برکت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ احکام ایک علیم و حکیم کے بتائے اور سکھائے ہوئے ہیں، کسی کو خدا سے زیادہ علیم و حکیم ہونے کے خبط میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡـتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ‏(۱۹)

فتنہ برپا کرنے میں یہود کی سازش

یہ ان منافقین کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے یہ فتنہ برپا کیا۔ یہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہود کے زیر اثر تھے اور یہود پر یہ بات بہت شاق تھی کہ مسلمانوں کی اخلاقی برتری کی دھاک ان کے مخالفوں کے دلوں پر بھی بیٹھتی جا رہی ہے۔ عربوں کا معاشرہ دورِ جاہلیت میں بالکل 'خبیثون و خبیثات' کا معاشرہ بن چکا تھا اور یہود کا حال، اہل کتاب ہونے کے باوجود، ان سے بھی زیادہ بڑا تھا۔ اب جب انھوں نے دیکھا کہ اسی گندگی کے ڈھیر سے 'طیبون و طیبات' کا ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ ابھر رہا ہے جو ملائک کے لیے بھی قابلِ رشک ہے تو اس آئینہ میں ان کو اپنی تصویر بہت مکروہ نظر آئی۔ اس کا انتقام لینے کی تدبیر انھوں نے یہ سوچی کہ مسلمانوں کے اندر بھی برائی اور بے حیائی کا چرچا پھیلے اور اس کارِ خیر کے لیے انھوں نے اپنے زیرِ اثر اور پروردہ منافقین کو ذریعہ بنایا جنھوں نے خاص اہل بیت رسالت کو ہدف بنایا کہ اگر وہ اپنی اس سازش میں کامیاب ہو گئے تو مسلمانوں کے اخلاقی وقار کی ساری عمارت منہدم ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ان کی سازش کامیاب نہ ہونے دی — انہی اشرار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو لوگ یہ ارمان رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر برائی و بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں ایک دردناک عذاب ہے۔

'وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡـتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ' یہ ان مسلمانوں کو تنبیہ ہے جو ان چھپے ہوئے مفسدین سے اچھی طرح آگاہ نہ ہونے کے باعث ان کے اٹھائے ہوئے فتنوں کے لپیٹ میں آ جاتے تھے اور اس موقع پر بھی کچھ لوگ آ گئے۔

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (۲۰)

شدید تنبیہ

بعینہٖ یہی آیت اوپر گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۱۰۔ بس یہ فرق ہے کہ وہاں 'تَوَّابٌ حَكِيۡمٌ' ہے

اور یہاں، رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ہے۔ 'لَوْ' کا جواب یہاں بھی محذوف ہے اور یہ حذف تنبیہ کی شدت پر دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمھاری (خطاب مسلمانوں سے ہے) اس شدید غلطی پر تمھاری گرفت نہیں کی ورنہ تمھارے اندر کے لوگوں نے جس طرح اسلام کے دشمنوں کی مقصد برآری کا سامان کیا تھا اس پر تم سزاوار تھے کہ خدا کی گرفت میں آجاتے لیکن خدا رءوف و رحیم ہے اس وجہ سے اس نے، تمھاری غلطی کے باوجود، تمھیں توبہ اور اصلاح کی مہلت دی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰی مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (۲۱)

یہ مسلمانوں کو اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہات اوپر گزر چکی ہیں۔ فرمایا کہ شیطان اور اس کے ایجنٹوں کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، یہ بات اچھی طرح گرہ کر لو کہ شیطان جب بھی سجھائے گا برائی اور بے حیائی کی راہ ہی سجھائے گا، وہ کبھی نیکی اور بھلائی کی راہ نہیں سجھائے گا۔ یہ تنبیہ یوں تو عام ہے لیکن یہاں خاص طور پر اسی ہدایت کو مؤکد کر دیا ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ کسی کے عزت و ناموس کے معاملے میں ہر اس بات کی نقل و روایت نہ شروع کر دو جس کے باب میں تمھیں کوئی علم نہ ہو۔ جس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو وہ محض ظن ہے اور ظن کی پیروی شیطان کی پیروی ہے۔

ایک لطیف اور باریک تنبیہ

وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰی مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ

یہ اسی سلسلہ کی ایک نہایت لطیف اور باریک تنبیہ ہے۔ جو لوگ دوسروں کے عزت و ناموس کے معاملے میں ہر قسم کی رطب و یابس باتیں بے پروائی سے قبول کر لیتے اور ان کی بنا پر ان سے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کا یہ رویہ غمازی کرتا ہے کہ وہ اپنے باب میں ضرورت سے زیادہ حسن ظن بلکہ ایک قسم کے ادعائے تزکیہ میں مبتلا ہیں، خواہ ان کو اپنے اس باطن کا شعور ہو یا نہ ہو۔ اسی مخفی چور سے یہاں ان لوگوں کو آگاہ کیا ہے جنھوں نے ام المومنینؓ کے باب میں دشمنوں کی اڑائی ہوئی افواہ کو بغیر کسی نکیر کے قبول کر لیا۔ فرمایا کہ ہر شخص یاد رکھے کہ جس کو بھی کوئی پاکی و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر اس کی توفیق شامل حال نہ ہو تو کوئی پاک نہیں ہو سکتا تو کسی کو اپنے تقویٰ و تزکیہ کا اتنا غرہ نہ ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کے معاملے میں ہر قسم کی باتیں بے تحقیق قبول کر لے۔

'وَ اللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ' میں اس بات کی یاد دہانی ہے کہ جو شخص اپنی ذات کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ حسن ظن میں مبتلا ہوتا ہے وہ اس بات کو نہ بھولے کہ خدا سمیع و علیم ہے۔ وہ ہر شخص کی مخفی سے مخفی بات کو بھی سنتا اور جانتا ہے۔

وَ لَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَ السَّعَةِ اَنۡ یُّؤۡتُوۡۤا اُولِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡمَسٰكِیۡنَ وَ الۡمُهٰجِرِیۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۪ۖ

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲)

ان لوگوں سے درگزر کی ہدایت جو محض سادگی کے سبب سے اس فتنہ میں ملوث ہو گئے

اب یہ اسی اوپر والی بات پر عطف کر کے ان لوگوں کے باب میں عفو و درگزر کی ہدایت فرمائی جو محض اپنی سادگی کے سبب سے اس فتنہ کی سنگینی کا اندازہ نہ کر پائے اور اس کے نقل و روایت میں ملوث ہو گئے۔ اس ہدایت کی ضرورت اس وجہ سے بھی کہ اصل حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اس بات کا اندیشہ تھا کہ بہت سے لوگ ان لوگوں کی امداد و سرپرستی سے دستکش ہو جائیں گے جنھوں نے کسی اذیت سے اس جھوٹ کے پھیلانے میں حصہ لیا۔ روایات میں ہے کہ مسطحؓ ایک نادار صحابی حضرت ابو بکرؓ کے عزیز تھے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کی سرپرستی فرماتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ بھی اس فتنہ میں شریک ہیں تو قدرتی طور پر آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور آپ نے قسم کھائی کہ اب میں مسطح کی کبھی کوئی مدد نہیں کروں گا۔ اسی قسم کے رویہ کا اندیشہ دوسرے غیرت مند مسلمانوں کی طرف سے بھی تھا اس وجہ سے ارشاد ہوا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور رزق و مال کی کشادگی عطا فرمائی ہے وہ مستحق قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو، ان کی کسی غلطی کی بنا پر، اپنی سرپرستی و امداد سے محروم کر دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں، غلطیاں اور کوتاہیاں ہر ایک سے ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے۔ اگر وہ ہر ایک کی غلطی پر مواخذہ کرے اور اپنی عنایات سے اس کو محروم کر دے تو اس کے مواخذہ سے کون بچ سکتا ہے! تو جو لوگ اپنی غلطیوں پر اللہ کی مغفرت کے طلبگار ہیں انھیں چاہیے کہ وہ بھی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کریں۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی صفات کا عکس اس کے بندوں کے اندر بھی پایا جائے۔

آیت میں 'اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ' کے الفاظ حق اور ذمہ داری کی یاد دہانی کے لیے ہیں کہ جن کو اللہ اپنے فضل و رزق کی کشادگی سے نوازتا ہے ان سے وہ یہ چاہتا ہے کہ جس طرح خدا نے ان کو کشادگی کے ساتھ، ان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کے باوجود، دیا ہے اسی طرح وہ بھی اس کے بندوں کو فیاضی اور کشادگی کے ساتھ دیں اور ان کی کسی غلطی سے متاثر ہو کر ان کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچیں۔

'اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ' کے الفاظ اظہارِ استحقاق کے لیے ہیں کہ جو لوگ قرابت مند بھی ہیں، مسکین بھی ہیں اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی صعوبات بھی برداشت کی ہیں وہ بہرحال اپنا ایک حق رکھتے ہیں اور وہ محض اس بنا پر اپنے اس حق سے محروم نہیں ہو جائیں گے کہ نادانستہ وہ کسی غلطی کے مرتکب ہو گئے۔

'اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ' میں اسی باریک حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف اوپر والی آیت میں اشارہ ہے۔ جس طرح کسی کے باب میں محض افواہوں کی بنا پر بدگمانی میں مبتلا ہو جانا خود اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ حسن ظن بلکہ ادعائے تزکیہ کی دلیل ہے اسی طرح کسی کی غلطی پر اس

سے درگزر نہ کرنا اور اس کو اپنی سرپرستی سے محروم کر دینا اپنے آپ کو غلطیوں سے مبرّا سمجھنے کے ہم معنی ہے اگرچہ آدمی کو اپنے اس مخفی خیال کا شعور نہ ہو۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ حکمتِ دین کے پہلو سے یہ دونوں غلطیاں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ اسی وجہ سے ان دونوں کا ذکر ایک ساتھ موزوں ہوا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ یَوْمَىِٕذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ (۲۳-۲۵)

منافقین کے جرم کی شناعت اور ان کو تہدید

'مُحْصَنٰتٌ' یہاں پاکدامن شریف زادیوں کے مفہوم میں ہے اور 'غٰفِلٰتٌ' سے مراد دنیا کے چھل فریب سے ناآشنا بھولی بھالی خواتین ہیں۔ اگرچہ الفاظ عام ہیں اور مراد ان سے وقت کے مسلم معاشرہ کی تمام شریف زادیاں ہیں لیکن ان میں ایک لطیف اشارہ خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف ہے۔ ان الفاظ کا سب سے اعلیٰ مصداق وہی ہو سکتی ہیں۔

'رَمْیٌ' کے اصلی معنی تو تیر مارنے کے ہیں لیکن یہ کسی پر تہمت اور بہتان لگانے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں 'غٰفِلٰتٌ' پر تہمت لگانے کے لیے اس لفظ کے استعمال میں ایک خاص بلاغت ہے۔ اس کے اندر یہ کنایہ ہے کہ جو لوگ بھولی بھالی پاکدامن بیبیوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ گویا سوتے میں ان کو اپنی تیراندازی کا ہدف بناتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی پھٹکار ہے۔ نہ یہ دنیا میں برومند ہوں گے نہ آخرت میں۔ دنیا میں بھی عنقریب ان کی جڑ کٹ کے رہے گی اور آخرت میں تو ان کے لیے بہرحال عذابِ عظیم ہے ہی۔ ان منافقین پر اللہ تعالیٰ کی اس لعنت کا اثر بالآخر یہ ظاہر ہوا کہ اسلام کے غلبہ نے ان کا اور ان کے سرغنوں کا سرزمینِ عرب سے بالکل خاتمہ کر دیا۔

'یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ الاٰیة' یعنی جس دن خدا کے عذابِ عظیم سے سابقہ پیش آئے گا اس دن نہ وہ خود کوئی عذر پیش کر سکیں گے اور نہ ان کے جرم کو ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت ہوگی۔ اس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ پاؤں خود ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ آج وہ اپنی ان درپردہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں پر پردہ ڈال سکتے ہیں لیکن ان کی زبانوں اور ان کے ہاتھ پاؤں سے تو ان کی کوئی حرکت ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ انہی گواہوں سے خدا گواہی دلوا دے گا کہ انھوں نے کیا کیا تہمتیں تراشی ہیں اور کیا کیا شر و فساد برپا کیے ہیں۔

'یَوْمَىِٕذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ' لفظ 'دِیْنٌ' یہاں بدلہ اور جزا کے معنی میں ہے۔ یعنی اس دن اللہ تعالیٰ ان کا واجبی بدلہ پورا پورا چکا دے گا۔ ان کے ساتھ نہ کوئی رعایت ہوگی نہ کوئی زیادتی۔

'وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ' یعنی آج تو ابھی حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے اس وجہ سے یہ اللہ کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ نہ یہ یقین ہے کہ اللہ سراپا حق و عدل ہے اس لیے

لازماً وہ حق کو غالب اور باطل کو نابود کر کے رہے گا اور نہ یہ یقین ہے کہ وہ ہر چیز کو واضح کرنے والا ہے۔ ان غلط فہمیوں نے ان کو ان کی شرارتوں میں بہت چالاک بنا دیا ہے لیکن اس دن ان پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ خدا سراپا حق و عدل ہے اور اسی کے ساتھ وہ 'مُبِیْنٌ' یعنی تمام حقائق کو آشکارا کرنے والا بھی ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۲۶)

**آخرت میں نفوس کی درجہ بندی اخلاق کے اعتبار سے ہوگی**

یعنی اس دنیا میں تو ابھی حالات پر بہت کچھ پردہ پڑا ہوا ہے اور گہرو پشیر دونوں رلے ملے ہوئے ہیں لیکن جب جزائے حق کا دن آئے گا تو اس دن نفوس کی درجہ بندی، جیسا کہ آیت 'وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ' (تکویر - ۷) میں ارشاد فرمایا ہے، اعمال و اخلاق اور ایمان و عقائد کے اعتبار سے ہوگی۔ اس دن خبیث عورتیں خبیث مردوں کے ساتھ باندھ دی جائیں گی اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے ساتھ جوڑ دیے جائیں گے۔ اسی کے مقابل میں پاکیزہ اخلاق عورتوں کو پاکیزہ صفات مردوں کی رفاقت حاصل ہوگی اور پاکیزہ اخلاق مردوں کو پاکیزہ اخلاق بیویاں ملیں گی۔ اور یہ لوگ اس دن تمام خرافات اور بکواسوں سے جو ان کے خلاف کی جا رہی ہیں بالکل بری اور پاک ہوں گے اور ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہوگی ——— ہم دوسرے مقام میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ دو لفظ آخرت کی تمام نعمتوں کی جامع تعبیر کے طور پر آتے ہیں۔

## ۴۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۲۷-۳۴

اب آگے ان رخنوں کو بند کیا ہے جو معاشرے میں بدنگاہی، تہمت اور اخلاقی مفاسد کو راہ دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس آزادی پر چند قیدیں عاید کی ہیں جو زمانۂ جاہلیت کی سوسائٹی میں، دوسروں کے گھروں میں آنے جانے کے معاملہ میں، لوگوں کو حاصل تھی۔ پھر بیواؤں اور ذی صلاحیت لونڈیوں اور غلاموں کے نکاح کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ شریروں کو سوسائٹی میں رخنہ اندازی کی کوئی راہ نہ ملے۔ اسی ذیل میں غلاموں کی آزادی کے لیے مکاتبت کی ایک کشادہ راہ کھول دی اور اس آزادی کے حصول کے لیے لوگوں کو ان کی امداد پر ابھارا تاکہ غلام آزادوں کی صف میں آئیں، ان کا اخلاقی معیار اونچا ہو اور معاشرے میں ایمان کی اساس پر کامل ہم آہنگی و یک رنگی پیدا ہو ——— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

**آیات ۲۷-۳۴**

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۲۷) فَاِنْ

لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ
قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ
فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٢٩﴾ قُلْ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ
اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا
لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ
الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ
لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ
عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۚ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٢﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى
يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۗ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا

لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ
اِكۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ
ع ۸ ۱۰ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۴﴾

ترجمۂ آیات ۲۷-۳۴

اے ایمان والو، اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تعارف نہ پیدا کر لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہی طریقہ تمھارے لیے موجب خیر و برکت ہے تاکہ تمھیں یاد دہانی حاصل رہے۔ پس اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمھیں اجازت نہ ملے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہی طریقہ تمھارے لیے پاکیزہ ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور ان غیر رہائشی مکانوں میں داخل ہونے میں تمھارے لیے کوئی ہرج نہیں جن میں تمھارے لیے کوئی منفعت ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ ۲۷-۲۹

مومنوں کو ہدایت کرو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں۔ یہ طریقہ ان کے لیے پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ باخبر ہے ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مومنہ عورتوں کو کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہو جائے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مار لیا کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے تعلق کی عورتوں کے سامنے یا اپنے مملوکوں کے سامنے یا ایسے زیر کفالت مردوں کے سامنے جو عورت کی ضرورت کی عمر سے نکل چکے ہوں

یا ایسے بچوں کے سامنے جو ابھی عورتوں کی پس پردہ چیزوں سے آشنا نہ ہوں۔ اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مار کے نہ چلیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو۔ اور اے ایمان والو، سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ۳۰-۳۱

اور اپنی رانڈوں اور رنڈوؤں اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرو۔ اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی سمائی رکھنے والا اور علم والا ہے۔ اور جو لوگ نکاح کرنے کی مقدرت نہیں پا رہے وہ اپنے کو ضبط میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور جو مکاتب ہونے کے طالب ہوں تمھارے مملوکوں میں سے تو ان کو مکاتب بنا دو اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ اور ان کو اس مال میں سے دو جو خدا نے تم کو دیا ہے اور اپنی لونڈیوں کو پیشہ پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ عفت کی زندگی کی خواہاں ہیں، محض اس لیے کہ کچھ متاعِ دنیا تمھیں حاصل ہو جائے اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس اکراہ کے بعد اللہ ان کے لیے غفور رحیم ہے۔ اور بے شک ہم نے تمھاری طرف روشن آیتیں بھی اتار دی ہیں، اور ان لوگوں کی تمثیل بھی سنا دی ہے جو تم سے پہلے گزرے اور خدا ترسوں کے لیے موعظت بھی۔ ۳۲-۳۴

---

## ۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۲۷)

گھروں کے اندر داخل ہونے کے لیے طلب اذن کی ہدایت

'استیناس' کے معنی متعارف و مانوس ہو جانے کے ہیں اور 'بیوت' سے مراد، جیسا کہ آگے والی آیت میں وضاحت آ رہی ہے، رہائشی مکانات ہیں جن میں کسی کے بیوی بچے رہتے ہوں۔ فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے رہائشی مکان میں جانے کی ضرورت پیش آئے تو یوں ہی دندناتا ہوا نہ گھس جائے بلکہ پہلے انس و تعارف حاصل کرے جس کا شائستہ اور بابرکت طریقہ یہ ہے کہ دروازے پر کھڑا ہو

کر گھر والوں کو سلام کرے۔ اگر ادھر سے سلام کا جواب اور اجازت ملے تو گھر میں داخل ہو ورنہ واپس ہو جائے۔

سلام اپنے آپ کو متعارف کرانے اور طلبِ اذن کا نہایت پاکیزہ طریقہ ہے۔ آیت میں 'تَسْتَاْنِسُوْا' کے بعد 'وَتُسَلِّمُوْا' طریقۂ تعارف کی وضاحت کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ جب دروازے پر کوئی سلام کرے گا تو گھر والے معلوم کر ہی لیں گے کہ کون صاحب ہیں؟ کیا چاہتے ہیں اور گھر کے اندر ان کا داخل ہونا مناسب ہے یا نہیں اور اس وقت ان کا آنا مناسب ہے یا کسی اور وقت؟

اذن کے لیے سلام کا طریقہ

گھروں کے اندر داخل ہونے کے لیے طلبِ اذن کا کوئی نہ کوئی طریقہ تو تمام مہذب قوموں میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ عرب جاہلیت کے شرفا میں بھی اس کا رواج تھا بلکہ ان کے ہاں اس کے لیے جو الفاظ تھے وہ تقریباً بالکل ان الفاظ کے ہم معنی ہیں جو اس وقت مغربی یا مغرب زدہ سوسائٹی میں رائج ہیں لیکن اسلام نے ان کو اختیار نہیں کیا بلکہ ان کی جگہ پر سلام کی ہدایت فرمائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلام کا طریقہ یہ بتایا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرے، اگر کوئی جواب مل جائے فبہا اور اگر جواب نہ ملے تو تین بار تک سلام کر کے واپس لوٹ آئے۔

اس پابندی کے بعد ظاہر ہے کہ اس اندیشے کے امکانات کا سدِباب ہو گیا کہ کوئی غیر مطلوب شخص کسی نامناسب وقت میں، کسی کے زنانہ مکان کے اندر گھس آئے۔ اس کے بعد صرف وہی لوگ گھروں کے اندر آ سکتے تھے جو صاحبِ خانہ سے یا تو کوئی قرابت رکھتے ہوں یا صاحبِ خانہ کو ان پر پورا پورا اعتماد ہو۔

اس طریقہ کی برکتیں

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ یہ اس پابندی کی برکت واضح فرمائی ہے تاکہ طبائع پر یہ زیادہ شاق نہ ہو۔ فرمایا کہ یہ تمہارے لیے موجبِ خیر و برکت ہے تاکہ تمہیں یاددہانی حاصل ہو جایا کرے۔ گویا اس کی نوعیت دروازے پر ایک مبارک نوٹس کی ہے کہ گھر میں داخل ہونے والے کو بھی یاددہانی ہو جائے کہ وہ دوسرے کے حرم میں قدم رکھ رہا ہے جہاں اس کو کچھ خاص اخلاقی آداب کا لحاظ رکھنا ہے اور گھر والوں کو بھی آگاہی ہو جائے کہ ان کے اندر اس وقت ایک ایسا شخص موجود ہے جس کے معاملے میں ان کے اوپر کچھ حدود و قیود ہیں جن کا احترام دنیا اور آخرت دونوں میں موجبِ خیر و برکت ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (۲۸)

یعنی اگر طلبِ اجازت کے بعد معلوم ہو جائے کہ گھر میں اس وقت اجازت دینے والا کوئی نہیں ہے تو جب تک اجازت نہ ملے گھر کے اندر داخل نہ ہو اور اگر واپس ہو جانے کے لیے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ۔

'هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ' یعنی ہر چند ہے تو یہ دل پر شاق گزرنے والی بات لیکن اخلاقی پہلو سے یہی طریقہ پاکیزہ ہے۔ معلوم نہیں کیا حالات ہیں جس کی بنا پر گھر والوں نے اجازت نہیں دی۔ اس طرح کے

معاملات میں اپنے وقار سے زیادہ صاحبِ خانہ کے مصالح ہی کے لحاظ میں حکمت اور شیطان کے فتنوں سے امان ہے۔

**خدا کی صفتِ علم کی بار بار یاد دہانی کی حکمت**

'وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ'۔ یہ مضمون یہاں معمولی تغیرِ الفاظ کے ساتھ بار بار آیا ہے۔ آگے فرمایا ہے۔ 'وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ'۔ پھر ارشاد ہوا ہے۔ 'اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ'۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کی یہ بار بار یاد دہانی اس وجہ سے کی جا رہی ہے کہ جن چیزوں سے یہاں روکا جا رہا ہے ان کے لیے نفس کے اندر چور دروازے بہت سے ہیں۔ جب تک خدا کے علیم و خبیر ہونے کا صحیح طور پر استحضار نہ ہو مجرد احکام و ہدایات سے ان رخنوں کو بند کرنا ممکن نہیں ہے۔ شیطان کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیتا ہے اور آدمی ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ البتہ اگر اس تصور کا دل پر ہر وقت غلبہ رہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے تو یہ چیز شیطان کی مخفی سے مخفی چالوں سے بھی انسان کو محفوظ رکھتی ہے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ (۲۹)

**'غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ' سے مراد**

'غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ' سے مراد قرینہ دلیل ہے کہ یہاں وہ مکانات ہیں جو غیر رہائشی ہیں یعنی جن میں آدمی کے بیوی بچے نہ رہتے ہوں۔ اوپر کی ہدایات سے واضح ہے کہ اجازت لینے کی یہ پابندی اصلاً بدنگاہی اور موقعِ تہمت سے بچانے کے لیے کی گئی ہے اس وجہ سے ان مکانوں کے لیے یہ پابندی ضروری نہیں ہے جو غیر رہائشی ہیں۔ ان میں آدمی بغیر اذن کے بھی جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ بھی 'فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ' کی قید لگی ہوئی ہے۔ یعنی کوئی منفعت اور ضرورت اس کے لیے داعی ہو۔ 'مَتَاعٌ لَّکُمْ' کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ مکانات ہوں ہی عام ضرورت کے مثلاً دکانیں، سرائیں، ہوٹل وغیرہ۔ مردانہ نشست گاہیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

'وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ'۔ یہ اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہ اوپر گزر چکی ہے۔ اس تنبیہ کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ آدمی کے اندر اگر خدا کی صفتِ علم کا صحیح استحضار نہ ہو تو وہ اس آزادی سے بھی غلط فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک شخص کسی کے زنانہ مکان میں، بدوں اجازت، گھس جائے اور جب اس پر اعتراض ہو تو وہ یہ عذر کر دے کہ میں نے سمجھا کہ یہ مردانہ نشست گاہ یا دفتر ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ط ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ (۳۰)

**گھر کے اندر داخل ہونے کے بعد کی احتیاطیں**

مذکورہ بالا اجازت کے بعد اگر کوئی شخص کسی کے مکان میں داخل ہو تو اس کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھے اور اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرے۔ 'قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ' کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ غضِ بصر اور حفاظتِ فروج تقاضائے ایمان ہے اور 'مِنْ اَبْصَارِھِمْ' کے 'مِنْ' سے یہ بات نکلتی

ہے کہ مقصود صرف اس حد تک نگاہوں کو نیچی رکھنا ہے کہ گھر کی عورتوں سے اپنی نظر کو بچائے رکھے اس لیے کہ یہ ہدایت درحقیقت انہی کو پیش نظر رکھ کر دی گئی ہے۔ اس سے یہ بات بھی نکلی کہ اسلام نے یہ اجازت جو دی ہے وہ محض رفع حرج کے پہلو سے صاحبِ خانہ کے اعزہ و اقربا اور تعلق و اعتماد کے لوگوں کے لیے دی ہے۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ ہر شخص کے گھر میں اس زمانے میں نہ مردانہ نشست گاہیں تھیں اور نہ آج ہو سکتی ہیں لیکن یہ ہدایات خود اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر مردوں کے الگ بیٹھنے کا گھر میں انتظام ہو تو قریبی اعزہ و اقربا کے سوا دوسرے مردوں کا گھر کی عورتوں سے الگ ہی بیٹھنا اسلام میں مطلوب ہے۔ آگے کی آیات سے ان شاء اللہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔

**غضِّ بصر کی ہدایت کی اہمیت**

'غضِّ بَصر' کی ہدایت بڑی اہم ہدایت ہے۔ نگاہ ہی درحقیقت مرد و عورت کے درمیان اولین قاصد کا کام دیتی ہے۔ اگر اس کے اوپر ایمانداری کے ساتھ کوئی شخص پہرہ بٹھا دے تو وہ شیطان کے بہت سے فتنوں سے امان میں ہو جاتا ہے۔

**حفظِ فُروج میں اصلی دخل لباس کو ہے**

'حِفظِ فُروج' میں بڑا دخل اس چیز کو ہے کہ لباس باقرینہ ہو۔ اس زمانے میں فیشن کے شوق نے لباس میں ایسی ایجادیں کر دی ہیں کہ اس کا اصل مقصود ستر بالکل غائب ہو گیا ہے۔ صرف زینت کا مقصد باقی رہ گیا ہے اور زینت بھی وہ زینت جس کے اندر صریح بدقوارگی نمایاں ہے۔ پہلے تو صرف عورتوں ہی کا رونا تھا لیکن اب تو مردوں نے بھی وہ لباس اختیار کر لیا ہے کہ اس لباس میں وہ شریفوں کی کسی مجلس میں بھی جانے کا حق نہیں رکھتے چہ جائیکہ کسی باایمان مسلمان کے گھر کے اندر۔

'ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ'۔ یعنی گھروں کے اندر یہ احتیاطیں اخلاقی پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے نہایت اعلیٰ اور اہم ہیں۔ بشرطیکہ ان احتیاطوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہر وقت مستحضر رہے کہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے، خواہ کتنے ہی مخفی طریقے سے کرے، خدا اس سے باخبر ہوتا ہے، اگر یہ حقیقت مستحضر نہ ہو تو نہ نگاہ کو آوارگی سے بچایا جا سکتا ہے نہ اعضا کو نمائش سے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

**گھر کے اندر عورتوں کا پردہ**

اب یہ عورتوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر گھر کے اندر کوئی غیر محرم داخل ہو تو وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزیں اس کے سامنے نہ ظاہر ہونے دیں، صرف وہ زینت

اس نے مستثنیٰ ہے جس کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے۔ زینت کی چیزوں کا اظہار صرف شوہر کے سامنے جائز ہے یا محرموں کے سامنے یا اپنے میل جول اور تعلق و خدمت کی عورتوں کے سامنے، یا اپنے مملوکوں کے سامنے یا ایسے مردوں کے سامنے جو بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کی کفالت و پرورش کا بار گھر والوں نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے یا ایسے بچوں کے سامنے جو ابھی جنسی معاملات سے ناآشنا ہوں۔ اور مزید یہ کہ اگر کسی غیر محرم کی موجودگی میں عورتوں کو گھر کے اندر نقل و حرکت کی ضرورت پیش آئے تو زمین پر پاؤں مار کے نہ چلیں کہ زیوروں کی جھنکار سنائی دے۔

یہ اس آیت کا سادہ مطلب ہوا۔ اس کے بعض اجزاء جو وضاحت طلب ہیں، ہم ان کی وضاحت بھی کیے دیتے ہیں۔

'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کا مفہوم

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ زینت کی چیزوں میں لباس بھی داخل ہے اور زیورات بھی۔ ان میں سے ہر چیز کو نہ تو چھپانا ممکن ہے نہ ہر چیز کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے۔ لباس کا بھی ظاہری حصہ بہرحال ظاہر ہو کے رہے گا اور زیورات بھی بالخصوص ہاتھ کے بعض زیورات بغیر زحمت کے نہیں چھپائے جا سکتے۔ 'اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کے استثناء نے اس قسم کی غیر معمولی زحمتوں سے بچا کر صرف ان زینتوں کو چھپانے کی ہدایت فرمائی جن کے چھپانے میں زیادہ زحمت نہیں ہے۔

اوڑھنی مسلمان خواتین کے لباس کا ضروری جزو ہے

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔ 'خمار' دوپٹہ اور اوڑھنی کو کہتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اوڑھنی مسلمان خواتین کے لباس کا ایک ضروری جزو ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی غیر محرم کی موجودگی میں عورتوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس اوڑھنی سے اپنے سر اور کمر کے ساتھ اپنے گریبانوں کو بھی چھپائیں[1] —— ایک طرف اس حکم کو سامنے رکھیے اور دوسری طرف اپنی قوم کی متبرجات کو دیکھیے کہ انھوں نے اوڑھنی کو دقیانوسیت قرار دے کر یک قلم خارج قرار دے دیا اور چاک گریبان اور سینے کے ابھار کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنا لازمۂ تہذیب ٹھہرا!

'اَوْ اٰبَآئِهِنَّ'۔ لفظ 'اٰبَآء' اپنے وسیع معنوں میں اجداد و اعمام سب پر مشتمل ہے۔ محرم اعزہ کے نمایاں عناصر کے نام گنا دیے ہیں لیکن مراد وہ سب ہیں جو اس حکم میں داخل ہیں۔

'نِسَآئِهِنَّ' سے مراد

'اَوْ نِسَآئِهِنَّ' میں بعض فقہاء نے صرف مسلمان عورتوں کو مراد لیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ میرے نزدیک اس بارے میں صاحب کشاف کی رائے صحیح ہے۔ انھوں نے اس سے میل جول اور تعلق و خدمت کی عورتوں کو مراد لیا ہے (من فی صحبتھن وخدمتھن من النساء) یہ امر ملحوظ ہے کہ ہر قسم کی اجنبی عورتوں کے سامنے عورتوں کے لیے اپنی زینت کا ظاہر کرنا فتنہ اور خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ بعض عورتیں

---

[1] اس پابندی سے صرف وہ بوڑھی عورتیں مستثنیٰ ہیں جو نکاح کی عمر سے گزر چکی ہیں۔ اگرچہ ان کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ بھی اس کا اہتمام رکھیں۔ اس کی وضاحت آگے آیت ۶۰ میں آئے گی جو اس آیت کی توضیح کے طور پر بعد میں نازل ہوئی۔

بڑی تعداد ہوتی ہیں۔ ان سے بچ کے رہنے ہی میں سلامتی ہے۔ معلوم نہیں وہ کس آفت میں مبتلا کر دیں۔

**'مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ' سے لونڈی اور غلام دونوں مراد ہیں**

'اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ' سے مراد لونڈی اور غلام دونوں ہیں۔ بعض فقہاء نے اس سے صرف لونڈیاں کو مراد لیا ہے لیکن اس تخصیص کا کوئی قرینہ الفاظ میں موجود نہیں ہے۔ اگر صرف لونڈیاں ہی مراد ہوتیں تو صحیح اور واضح تعبیر 'اَوْ مَا یَمِین' کی ہوتی، ایک عام لفظ، جو لونڈیوں اور غلاموں دونوں پر مشتمل ہے، اس کے لیے استعمال نہ ہوتا۔ پھر یہاں اس سے پہلے 'نِسَآئِھِنَّ' کا لفظ آ چکا ہے جو ان تمام عورتوں پر، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے، مشتمل ہے جو میل جول اور خدمت کی نوعیت کی وابستگی رکھتی ہیں، اس کے بعد لونڈیوں کے علیحدہ ذکر کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں یہ بات قرآن کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔

آگے اسی سورہ میں، انہی احکام سے متعلق، بعض توضیحات آئیں گی جو بعد میں نازل ہوئیں۔ ان میں لونڈیوں اور غلاموں دونوں کو، تین مخصوص اوقات کے علاوہ، اجازت کے بغیر گھر میں آنے جانے کی اجازت دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ 'طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ' کہ تم ایک دوسرے کے سامنے ہر وقت، آمد و شد رکھنے والے ہو۔[1] ان وجوہ سے میں ان فقہاء کی رائے کو صحیح سمجھتا ہوں جو اس لفظ کو لونڈیوں اور غلاموں دونوں کے لیے عام مانتے ہیں۔ البتہ ان کے لیے بھی وہ پابندی ضروری ہوگی جو خود قرآن نے بیان کر دی ہے اور جس کی وضاحت آگے آیت ۵۸ میں، آئے گی۔ لیکن اس بحث کی نوعیت اب مجرد ایک علمی بحث کی ہے، اس لیے کہ غلامی کا مسئلہ اب ختم ہو چکا ہے اور اس سلسلہ میں، دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلے اسلام نے قدم اٹھایا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

**ملازموں کا حکم**

اب مسئلہ غلاموں کا نہیں بلکہ نوکروں اور ملازموں کا ہے۔ ان کے باب میں قرآن کے اشارات سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک بوڑھے ملازموں اور بچوں کا تعلق ہے ان کے لیے تین اوقات کے سوا، جن کی تفصیل آگے آئے گی، گھروں میں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ رہے جوان ملازم تو ان کے باب میں، میرے نزدیک، ان تمام ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ ان کے لیے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا بھی ضروری ہے اور گھر میں ان کی موجودگی کی صورت میں ان پر اور گھر کی خواتین پر وہ پابندیاں بھی لازمی ہیں جو زیر بحث آیات میں بیان ہوئی ہیں۔

**بوڑھوں اور معذوروں کا حکم**

'اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ' سے مراد وہ بوڑھے، معذور، نابینا اور اعرج مرد مراد ہیں جو جنسی جذبات و خواہشات کے دور سے نکل چکے ہوں۔ اگر ایسے مردوں میں سے کسی کی کفالت و سرپرستی گھر والوں نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اور وہ وہیں رہتے سہتے ہیں تو ان کے معاملے میں بھی وہ پابندیاں نہیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ میرے نزدیک یہی حکم بوڑھے ملازمین کا بھی ہے بس ان تین اوقات میں ان کے لیے اجازت کی ضرورت ہوگی جو آگے آیت ۵۸ میں مذکور ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو آیت ۵۸۔

'اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ' سے مراد وہ بچے ہیں جن کے اندر ابھی جنسی شعور بیدار نہیں ہوا ہے اور وہ عورتوں کے صنفی اعضاء کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتے جس نگاہ سے ایک مرد دیکھتا ہے۔ ان کے لیے اول اول اجازت لینے کی پابندی نہیں تھی لیکن بعد میں تین اوقات میں ان کے اوپر بھی پابندی عائد ہو گئی۔ تفصیل اس کی آگے آئے گی۔

اظہارِ زینت کا ایک مخصوص دائرہ ہے

'وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِيُعۡلَمَ مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ': زینت کی چیزوں کے استعمال میں اصلی جذبہ نمائش کا ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ چیز انسان بالخصوص عورت کی فطرت میں داخل ہے لیکن اس کا ایک مخصوص دائرہ ہے۔ موجودہ زمانہ کی متبرجات کی طرح ہر جگہ اپنی زینت کی نمائش کرتے پھرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ ہدایت ہوئی کہ غیر محرموں کی موجودگی میں اگر عورتوں کو گھر کے اندر چلنے پھرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس طرح زمین پر پاؤں مار کے نہ چلیں کہ زیورات کی جھنکار سنائی دے۔

مسلمانوں کو اجتماعی توبہ کی ہدایت

'وَتُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيۡعًا اَيُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ' یہ ہدایات چونکہ پورے مسلم معاشرہ کی اصلاح و تطہیر کے لیے دی گئی ہیں اس وجہ سے سب کو خطاب کر کے رجوع الی اللہ کی دعوت دی گئی کہ سب مل کر اپنی اب تک کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کرو اور زندگی کا وہ طریقہ اختیار کرو جس کی طرف قرآن تمہاری رہنمائی کر رہا ہے۔ یہی راستہ فوز و فلاح کا راستہ ہے۔ اس فوز و فلاح کے شرائط سورۂ حج آیت ۷۷، اور مومنون آیت ا کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔ تفصیل کی ضرورت ہو تو ان پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

گھروں کے باہر کے پردہ کے احکام سورۂ احزاب میں بیان ہوئے ہیں

اوپر کی دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں دونوں کو جو ہدایات دی گئی ہیں، سیاق و سباق اور آیات کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ گھروں کے اندر کے پردہ سے متعلق ہیں۔ رہا یہ سوال کہ کسی عورت کو کسی ضرورت سے گھر سے باہر قدم نکالنا پڑے تو اس صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب یہاں نہیں دیا گیا ہے۔ اس کا جواب سورۂ احزاب میں آئے گا — ان شاء اللہ ہم وہاں اس پر تفصیل سے بحث کریں گے۔ ویسے ہم نے 'قرآن اور پردہ' کے عنوان سے ایک الگ رسالہ بھی لکھ دیا ہے جس میں قرآن کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ اندر اور باہر دونوں صورتوں کے لیے قرآن نے پردے کے نہایت قطعی احکام دیے ہیں۔ تفصیل کے طالب اس رسالہ کو پڑھیں۔ ان روشن احکام کے بعد بھی جن لوگوں کو قرآن میں پردے کا حکم کہیں نظر نہیں آتا ان کے بارے میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ قرآن نے ان کو غیر محرم عورتوں سے جس غضِ بصر کی ہدایت فرمائی تھی وہ غضِ بصر ان حضرات نے قرآن سے کر لیا ہے۔ یہ لوگ قرآن کو چومتے تو بڑی عقیدت سے ہیں لیکن آنکھیں بند کر کے اور پھر چومنے کے بعد اس کو شاید بھاری پتھر سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں!

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (۳۲)

'ایامیٰ' سے مراد

'اَیَامیٰ'، 'اَیِّم' کی جمع ہے۔ 'ایّم' اس مرد کو بھی کہتے ہیں جو بیوی سے محروم ہو اور اس عورت کو بھی

کہتے ہیں جو شوہر سے محروم ہو۔ یعنی رانڈ اور رنڈوے دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے بلکہ اپنے وسیع مفہوم میں یہ ان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو بن بیاہے رہ گئے ہوں۔

**لفظ 'صٰلِحِیْنَ' سے مراد**

لفظ 'صٰلِحِیْنَ' یہاں جسمانی اور اخلاقی دونوں قسم کی صلاحیتیں رکھنے والوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ عربی میں یہ لفظ اس جامع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

**رانڈوں اور رنڈووں کے نکاح کی ہدایت**

معاشرے کے اندر اخلاقی مفاسد اور شیطان کی دراندازیوں کے لیے ایک وسیع دروازہ یہ چیز بھی کھولتی ہے کہ اس میں بہت سے مرد بیویوں سے محروم اور بہت سی عورتیں شوہروں سے محروم ہوں۔ اس سے ناجائز تعلقات کے امکانات بھی بہت بڑھ جاتے ہیں اور تہمتوں کے پھیلانے کے لیے شریروں کو مواقع بھی ہاتھ آتے ہیں۔ اس برائی کے پیدا ہونے میں جس طرح بعض حالات میں غربت کو دخل ہے اسی طرح بعض حالات میں، بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں، خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کے رسم و رواج کو بھی بڑا دخل ہے۔ بعض خاندانوں اور برادریوں میں عقد بیوگان کو معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی خرابیوں کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک معاشرے کے اندر ان کی اصلاح کا احساس نہ پیدا ہو۔ اس وجہ سے قرآن نے معاشرے کو ہدایت فرمائی کہ اپنے اندر کے رانڈوں اور رنڈووں اور بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے لیے لوگوں کے اندر احساس پیدا کرو، اس کے مخالف رجحانات کی بیخ کنی کرو، جو لوگ غریب ہیں ان کی حوصلہ افزائی اور اعانت کرو تاکہ وہ بھی معاشرے کے اندر اپنا جائز مقام حاصل کریں اور ان کے مجرد رہنے کے سبب سے جو نقصانات ان کو اور معاشرہ کو پہنچ سکتے ہیں ان کا سدِ باب ہو۔

اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو اخلاقی و جسمانی اعتبار سے ذی صلاحیت ہیں ان کے بھی نکاح کر دو۔ ذی صلاحیت سے مراد وہ لونڈیاں اور غلام ہیں جو اپنی ذمہ داریاں سنبھال سکتے اور اپنے حقوق و فرائض کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ہدایت بھی اس وجہ سے فرمائی گئی کہ اس طرح غلاموں کا اخلاقی و معاشرتی معیار اونچا ہو گا اور وہ بالتدریج معاشرہ کے صالح اجزاء بن جائیں گے۔

**ذی صلاحیت لونڈیوں اور غلاموں کے نکاح کی ہدایت**

'اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ' اوپر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ مردوں کے لیے شادی سے محروم رہ جانے کی عام وجہ غربت ہوتی ہے۔ غریب آدمی اول تو کسی کنبہ کی ذمہ داری اٹھانے سے خود بھی گھبراتا ہے لیکن وہ نہ بھی گھبرائے تو کوئی عورت اپنے آپ کو اس کے حبالۂ عقد میں دینے پر کب راضی ہوتی ہے۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی کہ جو لوگ غریب ہیں وہ بھی اطمینان رکھیں اور دوسرے بھی یہ اطمینان رکھیں کہ نکاح فقر میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ خدا کے رزق و فضل میں اضافہ کرتا ہے۔

**نکاح رزق و فضل میں اضافہ کرتا ہے**

جو آدمی اپنے ایمان و اخلاق کی حفاظت کے لیے نکاح کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم ہوتی ہے اور وہ اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ آدمی جب تک بیوی سے محروم رہتا ہے وہ کچھ خانہ بدوش سا بنا رہتا ہے اور اس کی بہت سی

صلاحیتیں سکڑی اور دبی ہوئی رہتی ہیں۔ اسی طرح عورت جب تک شوہر سے محروم رہتی ہے اس کی حیثیت بھی اس بیل کی ہوتی ہے جو سہارا نہ ملنے کے باعث پھیلنے اور پھولنے پھلنے سے محروم ہو۔ لیکن جب عورت کو شوہر مل جاتا ہے اور مرد کو بیوی کی رفاقت حاصل ہو جاتی ہے تو دونوں کی صلاحیتیں اُبھرتی ہیں اور زندگی کے میدان میں جب وہ دونوں مل کر جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد میں برکت دیتا ہے اور ان کے حالات بالکل بدل جاتے ہیں۔

وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ یہ اسی بشارت کو مؤکد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا حوالہ دیا ہے کہ اللہ کے دامنِ کرم میں بڑی گنجائش ہے اور وہ سب کے حالات اور ضروریات سے اچھی طرح باخبر ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

نکاح کی عدم مقدرت بدکاری کے جواز کے لیے عذر نہیں ہے

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا۔ اوپر والی ہدایت تو معاشرہ کے لیے تھی لیکن افراد کی اخلاقی ذمہ داری بہرحال باقی رہے گی۔ اگر کوئی شخص نکاح کی مقدرت نہیں پا رہا ہے تو یہ چیز بدکاری کے جواز کے لیے کسی حال میں عذر نہیں بن سکتی۔ ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضبط میں رکھے اور خدا کے فضل و رحمت کا انتظار کرے۔ جو شخص اپنے ایمان و اخلاق کی حفاظت کے لیے یہ جہاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے راہ کھولے گا۔ آیت کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے۔

مکاتبت کا مفہوم اور اس کا حکم

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ الاٰیۃ۔ 'کتاب' اور 'مکاتبت' ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے اس بات کا خواہاں ہو کہ وہ فلاں مدت کے اندر اس کو اتنی رقم یا اس کی کوئی متعین خدمت انجام دے دے گا یا اس کے کسی کام کی تکمیل کر دے گا، جس کے بعد آقا اس کو آزاد کر دے۔ ایسی صورت میں حکم ہے کہ اس غلام کو مکاتب بنا دیا جائے۔ عام علماء تو اس حکم کو مندوب و مستحب کے مفہوم میں لیتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ، ابن سیرین اور داؤد نے اس کو وجوب کے مفہوم میں لیا ہے۔ ان کے نزدیک ایسے غلام کو مکاتب بنا دینا مالک پر واجب ہے۔ میرے نزدیک یہی مذہب قوی ہے۔ یہ احکام، جیسا کہ اوپر اشارہ گزرا، معاشرہ کو دیے جا رہے ہیں اس وجہ سے اس صورت میں مالک کی حیثیت ایک خود مختار آقا کی باقی نہیں رہ جاتی ہے بلکہ ایک فریق کی بن جاتی ہے۔ اگر غلام اور آقا دونوں باہم دگر بطور خود معاملہ طے کر لیں تو بہتر ہے اور اگر ان کے درمیان کوئی نزاع واقع ہو تو اس کا فیصلہ معاشرے کے ذمہ دار لوگ کر دیں گے اور بدرجۂ آخر اگر ضرورت داعی ہو تو معاملہ عدالت میں بھی جا سکتا ہے۔

مکاتبت کے لیے صلاحیت کی شرط

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا۔ اس صورت میں صرف یہ چیز دیکھی جائے گی کہ مکاتبت کا مطالبہ کرنے والے غلام

کے اندر کارکردگی کی ایسی صلاحیت اور ذمہ داری کا ایسا احساس ہے یا نہیں کہ وہ مالک کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کو پورا کر سکے۔ اس شرط کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ امکان اس بات کا بھی تھا کہ کوئی نکھٹو غلام مالک سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مکاتبت کا مطالبہ تو کر بیٹھے لیکن اس میں کوئی صلاحیت کارکردگی نہ ہو اور وہ اس چیز کو محض، پبلک سے اعانت مانگنے اور گداگری کا پیشہ اختیار کر لینے کا ایک بہانہ بنا لے اور معاشرے پر ایک بار بن کے رہ جائے۔ اس اندیشہ کی وجہ یہ تھی کہ کسی غلام کے مکاتب ہو جانے کے بعد اس کے باب میں قرآن نے لوگوں کو یہ ہدایت بھی، جیسا کہ آگے آ رہی ہے، فرمائی ہے کہ لوگ اس کی دل کھول کر مدد کریں اور بیت المال سے بھی اس کی اعانت کی جائے تاکہ وہ مکاتبت کی رقم ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس چیز کی طمع بہت سے ایسے غلاموں کے اندر بھی مکاتب بننے کا ارمان پیدا کر سکتی تھی جو خود تو ہاتھ پاؤں مارنے کی صلاحیت رکھنے والے نہ ہوتے لیکن مالک کی خدمت سے آزاد ہو کر معاشرے پر ایک بار بن جاتے اور اگر معاہدے کی شرائط پوری نہ کر پاتے تو لازماً ایک نزاع و اختلاف کا ذریعہ بنتے۔

لیکن یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ شرط کسی ذی صلاحیت غلام کی آزادی میں مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے کہ اس بات میں بھی، بصورتِ نزاع، آخری فیصلہ معاشرے اور قاضی کے اختیار میں تھا۔ اگر کسی غلام کو یہ شکایت ہوتی کہ اس کا مالک اس شرط کو بہانہ بنا کر اس کی آزادی میں رکاوٹ ڈالنا چاہتا ہے درآنحالیکہ وہ مکاتب بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے تو وہ اپنا معاملہ معاشرہ کے ذمہ داروں اور پنچوں کے سامنے بھی پیش کر سکتا تھا اور بدرجۂ آخر عدالت میں بھی لے جا سکتا تھا۔

**مکاتب کی مدد انفاق فی سبیل اللہ ہے**

'وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ' یہ معاشرے کو ابھارا ہے کہ جو غلام اپنی آزادی کے لیے کمر ہمت باندھیں تو، اپنے اس مال میں سے جو خدا نے تمھیں دے رکھا ہے، پورے حوصلے سے، ان کی مدد کرو۔ یہ ترغیب مال داروں کو دی ہے اور 'مِنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ' کے الفاظ ان کے اندر جذبۂ شکر ابھارنے کے لیے ہیں کہ جو چیز خدا کی دی ہوئی ہے اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ اس سے یہ بات بھی نکلی کہ جو لوگ اس مقصد کے لیے انفاق کریں گے ان کا یہ انفاق فی سبیل اللہ ہوگا۔

**اموالِ زکوٰۃ سے مکاتب کی مدد**

یہ امر ملحوظ رہے کہ سلف اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے غلاموں کی امداد اموالِ زکوٰۃ اور بیت المال سے بھی کی جائے۔ بیت المال میں غلاموں کی آزادی کے لیے اسلام نے ایک مستقل مد رکھی ہے جس کی وضاحت سورۂ توبہ میں ہو چکی ہے۔

**مکاتبت کا حق لونڈیوں کو بھی حاصل ہوا**

مکاتبت کا یہ حق اسلام نے جس طرح غلاموں کو دیا اسی طرح لونڈیوں کو بھی دیا۔ 'مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ' کے الفاظ کی عمومیت بھی اس پر دلیل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا عمل بھی۔ روایات میں حضرت بریرہؓ اور حضرت جویریہؓ کے واقعات موجود ہیں۔

اس قانون کے نازل ہو جانے کے بعد تمام ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی نہایت

وسیع راہ کھل گئی۔ اس کے بعد صرف وہی غلام باقی رہے جو یا تو اپنی حالت پر قانع اور مطمئن تھے یا ان کے اندر ہاتھ پاؤں مارنے اور معاشرے کے اندر خود اپنی جگہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسے غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کا اعلانِ عام کر دیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ اپنے مالکوں کی سرپرستی سے بھی محروم ہو جاتے اور خود بھی اپنی کفالت کا انتظام نہ کر پاتے جس کے سبب سے وہ معاشرے پر ایک بار بن کے رہ جاتے۔

**غلاموں اور لونڈیوں سے متعلق قدیم تصورات کی اصلاح**

'وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الآيَة'

'فَتَيَات' یہاں لونڈیوں کے لیے استعمال کیا ہے اور مقصود اس لفظ کے استعمال سے معاشرے کے اندر ان کی عزت کو بڑھانا ہے۔ 'فتاۃ'، 'فتیٰ' کی مؤنث ہے۔ جس طرح 'فتیٰ' کے معنی جوان اور لڑکے کے ہیں اسی طرح 'فتاۃ' کے معنی لڑکی اور چھوکری کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی اپنے غلام کو 'عبد' اور اپنی لونڈی کو 'امۃ' نہ کہے بلکہ 'فتیٰ' (جوان) اور 'فتاۃ' (لڑکی) کہے۔ ظاہر ہے کہ لونڈیوں اور غلاموں کے لیے الفاظ کی یہ تبدیلی بھی انہی اصلاحات کا ایک جزو ہے جو ان کے معاشرتی درجے کو اونچا کرنے کے لیے ظہور میں آئیں اور اوپر مذکور ہوئیں۔ مقصود اس لفظ کی تبدیلی سے غلاموں اور لونڈیوں کے اندر احساسِ خودداری کو بیدار کرنا اور لوگوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا تھا کہ اب لوگ غلاموں اور لونڈیوں سے متعلق اپنے قدیم تصورات کو بدلیں اور ان کو اپنے معاشرے کے بھائی بہن کی نگاہ سے دیکھیں۔

**لونڈیوں سے پیشہ کرانے والوں کو تنبیہ**

'اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا' کی قید یہاں بطورِ شرط کے نہیں بلکہ بصورتِ واقعہ کی تعبیر کے لیے ہے۔ جب اسلام نے زنا پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کی ہدایت فرمائی اور مکاتبت کے ذریعے سے لونڈیوں اور غلاموں کی آزادی کی ایک نہایت کشادہ راہ کھول دی تو قدرتی طور پر لونڈیوں کے اندر بھی ایک عام احساس بیدار ہوا کہ وہ اپنے اخلاقی معیار کو اونچا کریں اور ان میں سے جو اپنے مالکوں کے دباؤ کی وجہ سے پیشہ کراتی تھیں، وہ خواہش مند ہوئیں کہ یہ حرام پیشہ چھوڑ کر پاکدامنی کی زندگی بسر کریں اور اگر کوئی شکل پیدا ہو تو کسی کے قیدِ نکاح میں ہو کر زندگی گزاریں۔ اصلاحات کے اس دور میں اس رجحان کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا لیکن ان کی زد ان مالکوں کے مفاد پر پڑتی تھی جنھوں نے زمانۂ جاہلیت میں چکلے قائم کر رکھے تھے اور جو اپنی لونڈیوں سے پیشہ کراتے اور ان کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ ان میں سے بعض اسلام کے دور میں بھی، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں، خفیہ طور پر چکلے قائم کیے ہوئے تھے۔ مشہور منافق عبداللہ بن اُبَی نے بھی، جس نے فتنۂ افک برپا کیا، ایک چکلہ قائم کر رکھا تھا۔ تاریخوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے خبیث لوگ آسانی سے اس بات پر راضی نہیں ہو سکتے تھے کہ یہ لونڈیاں ان کے چنگل سے نکل جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے تمام ہتھکنڈے ان کو پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے سے روکنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ انہی لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، باندازِ تنبیہ، فرمایا کہ اب ان لڑکیوں

کو جب کہ وہ پاک دامنی کی زندگی اختیار کرنا چاہتی ہیں، بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ ورنہ یا درکھو کہ اکراہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ ان کو تو معاف کر دے گا البتہ وہ لوگ اپنا انجام سوچ لیں جو ان کی عفت کے ساتھ یہ گھنونا کھیل کھیل رہے ہیں! یہاں وہ بات یاد رکھیے جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ بعض چکلے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، بعد کے مراحل میں، رجم بھی کرا دیا۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ (۳۴)

موعظت کا اعادہ

یہ اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہ اس سورہ میں بار بار آئی ہے۔ پیچھے بھی اس کی مثالیں گزر چکی ہیں اور آگے آیت ۴۶ میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔ ان تنبیہات کے بار بار اعادہ کی حکمت کی طرف ہم اس سورہ کی پہلی ہی آیت کے تحت اشارہ کر آئے ہیں۔ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ سے اشارہ اس تمثیل کی طرف ہے جو آگے آیت ۳۵ میں آ رہی ہے اور جس کی وضاحت آپ کے سامنے ان شاء اللہ آئے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمھاری طرف یہ نہایت واضح ہدایات نازل کر دی ہیں اور تمھاری حوصلہ افزائی کے لیے ان اسلاف صالحین کی تمثیل بھی پیش کر دی ہے جن کے نقشِ قدم کی تمھیں پیروی کرنی ہے۔ ان کے اندر ان لوگوں کے لیے بڑی نصیحت و موعظت ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔ رہے وہ لوگ جن کے سینے خوفِ خدا سے خالی ہیں تو ان کے اوپر کوئی وضاحت و موعظت بھی کارگر نہیں ہوتی۔ وہ اپنا انجام خود دیکھیں گے۔

## ۶۔ غلامی کا بالتدریج خاتمہ

اس مجموعۂ آیات میں جو اہم ہدایات دی گئی ہیں ان کی بقدرِ ضرورت وضاحت آیات کے تحت ہو چکی ہے۔ البتہ غلامی سے متعلق ہم یہاں ان باتوں کو یکجا کر دینا چاہتے ہیں جن کی طرف پیچھے جگہ جگہ ہم اشارہ کر چکے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں جو غلط فہمیاں لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

غلامی اسلام کے اپنے نظام کا کوئی جزو نہیں تھی بلکہ اس کو اسلام نے وقت کے بین الاقوامی اور ملکی حالات کے تحت محض اس لیے گوارا کر لیا تھا کہ اگر بیک گردشِ قلم اس کے خاتمہ کا اعلان کر دیا جاتا تو اس سے دشمن قوموں کو بھی شہ ملتی اور خود اپنے معاشرے کے اندر بھی نہایت سخت قسم کی معاشرتی اور معاشی الجھنیں پیدا ہو جاتیں۔ اس دور میں اول تو جنگی قیدیوں کے مسئلہ کا ایک معروف حل یہی تھا کہ جنگ میں جو قیدی گرفتار ہوں ان کو فاتحین غلام بنا لیں ثانیاً ہر جگہ نخاسوں پر غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار ہوتا تھا اور ہر ذی استطاعت کے گھر میں ہر سن و سال کی لونڈیاں اور غلام موجود تھے۔ ایسے حالات میں اگر بیک وقت یہ اعلان کر دیا جاتا کہ تمام لونڈیاں اور غلام آزاد ہیں تو قطعِ نظر اس سے کہ اس سے مخالف قوتیں فائدہ

اٹھاتیں ایک بڑا اہم سوال یہ پیدا ہوتا کہ ان تمام لونڈیوں اور غلاموں کو معاشرے میں کہاں کھپایا جائے؟ ان میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے افراد کی بھی تھی جو یہ صلاحیت نہیں رکھتے تھے کہ خود اپنی کفالت کا بار اٹھا سکیں۔ غلامی کی صورت میں تو ان کی کفالت کی ذمہ داری قانوناً ان کے مالکوں کے اوپر تھی لیکن آزاد ہو جانے کی صورت میں ان کے لیے اس کے سوا کوئی سبیل باقی نہ رہتی کہ بھیک مانگیں اور معاشرے پر ایک بوجھ بنیں۔ بالخصوص لونڈیوں کا مسئلہ اور بھی پیچیدہ تھا۔ ان کے بے سہارا ہونے میں بہت سے اخلاقی مفاسد کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ بیت المال، ظاہر ہے کہ اتنی بڑی فوج کی کفالت کے بار کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان مصالح کی وجہ سے اسلام نے ان کی آزادی کی ایک ایسی راہ اختیار کی جس سے وہ خطرات بھی پیدا نہیں ہوئے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور بالتدریج تمام ذی صلاحیت غلام اور لونڈیاں آزاد ہو کر اسلامی معاشرہ کے جزو بھی بن گئے۔

یہاں اس مسئلہ کی تمام تفصیلات سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہوگی۔ البتہ ہم چند اہم مبادی کی طرف اشارہ کریں گے جن سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ اسلام نے غلاموں کو آزادوں کی صف میں لانے کے لیے بالتدریج کیا ہدایات جاری کیں۔

۱۔ اسلام نے اس سلسلہ میں سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مکی زندگی کے بالکل ابتدائی دور ہی سے 'فَكُّ رَقَبَةٍ' یعنی غلام آزاد کرنے کو ایک بہت بڑی معاشرتی نیکی قرار دیا۔ مکی سورتوں میں 'فَكُّ رَقَبَةٍ' اور اطعام فقراء کا ذکر بالکل ساتھ ساتھ ہوا ہے اور بعض آیات میں اس کو حصولِ سعادت کی راہ میں اولین قدم بتایا گیا ہے بالخصوص امرا و اغنیاء کے لیے۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح الفاظ میں غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ نہ صرف حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی بلکہ مالکوں پر ان کے انسانی حقوق کو شرعی درجہ دے دیا جس سے ان کے معاملہ میں مالکوں کی وہ خود مختاری اور مطلق العنانی ختم ہو گئی جو زمانۂ جاہلیت میں ان کو حاصل تھی۔

۳۔ بعض گناہوں اور کوتاہیوں کی صورت میں غلام آزاد کرنے کو کفارہ اور صدقہ ٹھہرایا گیا۔

۴۔ تمام ذی صلاحیت لونڈیوں اور غلاموں کے نکاح کر دینے کی ہدایت فرمائی گئی تاکہ معاشرے کے اندر ان کا اخلاقی و معاشرتی معیار اونچا ہو۔

۵۔ بیت المال اور اموالِ زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مستقل مدّ 'فِى الرِّقَابِ' بھی رکھی گئی تاکہ غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی مہم کو زیادہ سے زیادہ تقویت بہم پہنچائی جائے۔

۶۔ زمانہ جاہلیت میں جن مالکوں نے لونڈیوں سے پیشہ کرانے کے لیے چکلے قائم کر رکھے تھے ان کے چکلے زنا کے جرم قرار پا جانے کے بعد ختم ہو گئے اور اگر کسی نے خفیہ طور پر اس کاروبار کو جاری رکھنے کی کوشش

کی تو اس کو نہایت عبرت انگیز سزا دی گئی۔ یہاں تک کہ اس قبیل کے بعض مردوں اور عورتوں کو حضورؐ نے رجم بھی کرا دیا۔

۷۔ لونڈیوں اور غلاموں کے لیے 'عَبد' اور 'اَمۃ' کے تحقیر آمیز الفاظ استعمال کرنے کے بجائے 'فتیٰ' اور 'فتاۃ' کے الفاظ استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی گئی تاکہ اس گروہ سے متعلق لوگوں کے قدیم تصورات میں تبدیلی پیدا ہو۔

۸۔ اسیرانِ جنگ سے متعلق بھی بالعموم یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ خاص خاص سرغنوں کو تو بے تک قتل کر دیا گیا لیکن عام قیدیوں کو فدیہ لے کر یا احساناً چھوڑ دیا گیا۔

۹۔ آخر میں مکاتبت کو ایک قانونی حیثیت دے دی گئی جس کے بعد ہر ذی صلاحیت غلام اور لونڈی کے لیے آزادی کی نہایت کشادہ راہ کھل گئی۔ ان کی امداد و حوصلہ افزائی کے لیے عام لوگوں کو بھی، جیسا کہ اوپر گزرا، ابھارا گیا اور ان کے لیے بیت المال میں بھی ایک خاص مد رکھی گئی۔ اس قانون نے عملاً غلامی کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد صرف وہ غلام بچ رہے جو ہاتھ پاؤں مارنے کی صلاحیت سے عاری تھے اور ان کے لیے یہی شکل معاشرے کے حق میں بھی اور خود ان کے حق میں بھی بہتر تھی ورنہ وہ معاشرے پر ایک بوجھ بنتے اور گداگری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے۔

ان تمام باتوں کے دلائل قرآن و حدیث میں نہایت تفصیل سے موجود ہیں۔ میں ان کو پیش کر سکتا ہوں لیکن مبحث اپنے حدود سے متجاوز ہو جائے گی اس لیے صرف اشارات پر کفایت کرتا ہوں۔ پچھلے مباحث میں ان میں سے اکثر کے دلائل بیان ہو چکے ہیں اور اگر کسی بات کی دلیل نہیں بیان ہوئی ہے تو ان اشارات کی روشنی میں اہلِ علم خود ان کے دلائل نہایت آسانی سے فراہم کر سکتے ہیں۔

## ۷۔ آگے کا مضمون ____ آیات ۳۵-۴۰

اب آگے وہ آیات آ رہی ہیں جن کی حیثیت اس سورہ کے اندر آفتابِ تاباں کی ہے۔ جس کا پرتو سورہ کے تمام اجزاء پر پڑ رہا ہے۔ ان میں ایمان اور کفر دونوں کی تمثیل بیان ہوئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ ایمان سے انسان کے ظاہر اور باطن میں کیا روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کس طرح کے اعمال، انفرادی و اجتماعی زندگی میں، ظہور میں آتے ہیں اور کفر سے انسان کے ظاہر و باطن پر کس طرح کی تاریکی چھا جاتی ہے اور بالآخر وہ انفرادی و اجتماعی زندگی پر کس طرح ہلاکت مسلط کر دیتی ہے۔ مقصود ان تمثیلوں کے پیش کرنے سے اہلِ ایمان پر یہ واضح کرنا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر گوشے کو ایمان کی نورانیت سے منور کریں اور اہلِ کفر پر یہ واضح کرنا ہے کہ اگر وہ کفر کی 'ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ' ہی میں پڑے رہنا چاہتے ہیں، ایمان کی روشنی میں نہیں آنا چاہتے تو اپنے انجام کو اچھی طرح سوچ لیں! ____ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۵-۴۰

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ
اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ
شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ
وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ
اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ
الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ
الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ
كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ
شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾
اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ
ع ۵ ۱۱ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ آیات ۳۵-۴۰

اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔ دل کے اندر اس کے نورِ ایمان کی تمثیل یوں ہے کہ ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو، چراغ ایک شیشہ کے اندر ہو، شیشہ ایک چمکتے تارے کی مانند ہو۔ چراغ ایک ایسے شاداب درخت زیتون کے روغن سے جلایا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ اس کا روغن اتنا شفاف ہو کہ گویا آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھے گا

روشنی کے اوپر روشنی! اللہ اپنے نور کی ہدایت جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اور اللہ یہ تمثیلیں لوگوں کی رہنمائی کے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے ——— یہ طاق ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت خدا نے امر فرمایا کہ وہ تعمیر کیے جائیں اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے۔ ان میں ایسے لوگ صبح و شام خدا کی تسبیح کرتے ہیں جن کو کاروبار اور خرید و فروخت اللہ کی یاد، نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتے۔ وہ ایک ایسے دن کی آمد سے اندیشہ ناک رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں سب مضطرب ہوں گے۔ کہ اللہ ان کے عمل کا بہترین بدلہ دے اور ان کو اپنے فضل سے مزید نوازے اور اللہ جس کو چاہے گا بے حساب بخشے گا۔ ۳۵-۳۸

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی تمثیل یہ ہے کہ جیسے چٹیل صحرا میں سراب ہو جس کو پیاسا پانی گمان کرے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئے گا تو وہاں کچھ نہ پائے گا البتہ اس کے پاس اللہ کو پائے گا پس وہ اس کا حساب چکا دے گا اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر کے اندر تاریکیاں ہوں، موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو، اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ تاریکیوں پر تاریکیاں چھائی ہوئی ہوں۔ اگر اپنا ہاتھ بھی نکالے تو اس کو بھی نہ دیکھ پائے اور جس کو اللہ روشنی نہ بخشے تو اس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔ ۳۹-۴۰

---

## ۸- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا

غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۳۵)

جو خدا کو نہیں مانتا اس کے لیے یہ کائنات ایک عالم ظلمات ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ آسمان و زمین بلکہ یہ پوری کائنات اس شخص کے لیے ایک عالم ظلمات اور اندھیر نگری ہے جو خدا کو نہیں مانتا یا مانتا ہے لیکن خدا کی صفات، اور ان کے مقتضیات، کو نہیں تسلیم کرتا۔ ایسا شخص نہ یہ جان سکتا کہ یہ دنیا کہاں سے آئی ہے اور نہ یہ جان سکتا کہ اس کے وجود میں آنے کی غایت اور مقصد کیا ہے؟ وہ خود اپنے متعلق بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس کا مقصدِ وجود کیا ہے؟ وہ اس دنیا میں مطلق العنان اور شترِ بے مہار ہے یا پابند و محکوم؟ وہ مسئول ہے یا غیر مسئول؟ اس کے لیے کیا خیر ہے اور کیا شر؟ اسے ظلم کی روش اختیار کرنی چاہیے یا عدل کی؟ اسے مجرد اپنے مفاد اور خواہشوں کی پیروی کرنی چاہیے یا ان سے کسی بالاتر نصب العین کی؟ ان سوالوں کے صحیح جواب ہی پر صحیح اور کامیاب زندگی کا انحصار ہے لیکن جو شخص خدا کو نہیں مانتا وہ ان سوالوں کا صحیح حل نہیں پا سکتا۔ وہ اندھیرے میں اندھے بھینسے کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے اور بالآخر ایک دن قعرِ ہلاکت میں گر کر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جاتا ہے۔

جو خدا کو مانتا ہے اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے

البتہ جو شخص خدا کو اس کی صحیح صفات کے ساتھ مانتا ہے وہ اس کائنات کا سرا بھی پا جاتا ہے اور اس کا انجام بھی اس پر واضح ہو جاتا ہے۔ اس پر ان تمام سوالوں کے جواب بھی روشن ہو جاتے ہیں جن کو خدا کا نہ ماننے والا کبھی حل نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے یہ دنیا اس کے لیے اندھیر نگری نہیں رہتی بلکہ ایمان کے نور سے اس کے لیے اس کی ہر چیز جگمگا اٹھتی ہے اور اس کا ہر پہلو اس پر روشن ہو جاتا ہے۔ وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے پورے دن کی روشنی میں اٹھاتا ہے اور جس سمت میں بھی چلتا ہے خدا کے ایمان کا نور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہی حقیقت اس ٹکڑے میں واضح فرمائی گئی ہے کہ اس آسمان و زمین کا نور اللہ ہے جس کے پاس یہ نور ہے وہ روشنی میں اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ اور جو اس نور سے محروم ہے وہ ایک عالم ظلمات میں بھٹک رہا ہے اور کوئی دوسرا اس کو روشنی نہیں دے سکتا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

دل کے اندر نور ایمان کی تمثیل

'مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ'۔ یہ تمثیل بیان ہو رہی ہے اس بات کی کہ جس دل کے اندر ایمان کی روشنی داخل ہوتی ہے وہ اس کی فطرت کے نور کے اوپر سے ایک اور نور کا اضافہ کر دیتی ہے جس سے اس کا باطن مطلعِ انوار بن جاتا ہے۔ فرمایا کہ اس نورِ ایمان کی تمثیل قلب کے اندر یوں ہے کہ ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ رکھ دیا گیا ہو، چراغ ایک گلوب کے اندر ہو اور گلوب کا شیشہ ایک چمکتے تارے کے مانند چمک رہا ہو۔

'مشکوٰۃ' سے مراد انسان کا دل ہے جس کو چراغ رکھنے کے طاق یا چراغ دان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چراغ کے لیے قاعدہ ہے کہ وہ گھر میں اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہے تاکہ روشنی پورے گھر کے اندر پھیلے انسان کے اندر دل ہی وہ جگہ ہے جہاں روشنی ہو تو وہ اس کے سارے ظاہر و باطن میں پھیلتی ہے۔ اس چراغ کی نسبت

فرمایا کہ وہ ایک شیشہ کے اندر بند ہے۔ شیشہ کے اندر بند ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ چراغ کی لَو ہوا کے جھونکوں سے منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک مرکز پر متمرکز رہتی ہے جس سے اس کی تابانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ٹھیک یہی حال ایمان کے فیض سے قلب کا ہوتا ہے۔ وہ بھی ڈانوا ڈول ہونے سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ خواہ کیسے ہی حالات ہوں لیکن وہ ہر حال میں راضی و مطمئن رہتا ہے۔ ایسے ہی دل کو قرآن میں 'نفسِ مطمئنہ' سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور یہ سب سے بڑی دولت ہے جو انسان کو ایمان کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

اس شیشہ کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک چمکتے ستارے کی مانند ہے۔ شیشہ اگر میلا ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ روشنی میں کوئی اضافہ نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے حجاب بن جاتا ہے۔ فرمایا کہ ایمان کی روشنی ہر قسم کی کثافت سے دل کو پاک و صاف کر کے آئینہ کی طرح اس کو مجلّٰی کر دیتی ہے۔

یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ

**مُبارکۃ اپنے لغوی مفہوم میں**

'مُّبٰرَكَةٍ' یہاں اپنے لغوی مفہوم میں ہے جس طرح زرخیز و شاداب زمین کو قرآن میں مبارک کہا گیا ہے اسی طرح یہاں شاداب اور ثمر آور درخت کے لیے لفظ 'مبارک' استعمال ہوا ہے۔

**وسطِ باغ کے درخت کی خصوصیات**

'لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ' یہ شجرۂ مبارکہ کی صفت ہے۔ یعنی یہ درخت نہ تو باغ کے شرقی جانب کا ہے اور نہ غربی جانب کا بلکہ وسطِ باغ کا ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ باغ کے کناروں کے درخت بالخصوص، جو مشرق یا مغرب میں ہوں، ہمیشہ دھوپ اور ہوا کی زد میں ہونے کے سبب سے اتنے اچھے پھل نہیں دیتے جتنے اچھے پھل وسطِ باغ کے درخت دیتے ہیں اس وجہ سے یہ قید بڑھا کر اس درخت کی غایت درجہ شادابی و ثمر باری کی طرف اشارہ فرما دیا۔

**ایمان کی روشنی ان کو نصیب ہوتی ہے جن کی فطرت صالح ہوتی ہے**

یہ اس چراغ کی مزید صفت بیان فرمائی کہ یہ ایک ایسے شاداب و زرخیز درخت زیتون کے روغن سے جلتا ہے جو نہ باغ کی مشرقی جانب کا ہے نہ مغربی جانب کا بلکہ وسطِ باغ کا ہے اور اس کا روغن اتنا صاف و شفاف ہے کہ معلوم ہوتا ہے آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھے گا۔

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ ایمان ان لوگوں کے سینوں کو اپنا نشیمن بناتا ہے جن کی فطرت ہر قسم کے فساد اور بگاڑ سے محفوظ ہو، جن کی فطرت کا روغن غیر فطری ملاوٹوں سے پاک ہوتا ہے وہ خود دعوتِ ایمان کی ذرا سی رگڑ سے بھڑک اٹھتا ہے اور اس طرح فطرت کے نور کے اوپر ایمان کے نور سے سینہ 'نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ' بن جاتا ہے۔

'يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ' 'ھدی یھدی' کا صلہ جب 'ل' کے ساتھ آتا ہے تو وہ توفیق بخشی کے مفہوم پر بھی، جیسا کہ سورۂ یونس ۳۵ میں ہم واضح کر چکے ہیں، متضمن ہوتا ہے۔ یہ اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو ایمان و ہدایت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی ہے اور جس کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہو چکی

ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نورِ ایمان سے انہی لوگوں کے دلوں کو منور فرماتا ہے جو اپنی فطرت کے روغن کو محفوظ رکھتے ہیں۔ جو اس روغن کو ضائع کر بیٹھتے ہیں یا اس کے اصل مزاج کو اپنے تزیغ و انحراف سے بگاڑ لیتے ہیں ان کے دل ایمان کی روشنی کو نہیں پکڑتے۔ 'لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ' کے الفاظ اسی زیغ و انحراف سے محفوظ ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ان الفاظ میں ایک لطیف تلمیح یہود و نصاریٰ کی اس نزاع کی طرف بھی ہے جو قبلہ کے تعلق سے ان کے مابین، مشرق و مغرب کے باب میں، برپا ہوئی اور جس کے سبب سے وہ اصل نقطۂ وسط سے اتنے دور ہو گئے کہ ہمیشہ کے لیے 'امتِ وسط' کے شرف سے محروم ہو گئے اور قبولِ اسلام کی سعادت ان کو حاصل نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ اپنی مزید توفیق کے دروازے انہی کے لیے کھولتا ہے جو پہلے سے بخشی ہوئی توفیق کی قدر کرتے ہیں، جو اس کی قدر نہیں کرتے ان سے وہ ہدایت بھی واپس لے لی جاتی ہے جو فطرت کے ذریعہ سے ان کو بخشی جاتی ہے۔ سیدنا مسیحؑ کا ارشاد ہے کہ جو ایک پیسہ میں چور ہے اس کو ایک لاکھ کی امانت نہیں سونپی جاتی۔

'وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ'۔ 'لِلنَّاسِ' سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی لوگوں کی تعلیم و تذکیر کے لیے اللہ تعالیٰ یہ تمثیلیں بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ ان سے ایمان کی قدر و قیمت پہچانیں اور اس کے نور سے اپنے دلوں کو منور کریں۔ تمثیلیں حقائق کو واضح کرنے کا سب سے اعلیٰ اور کارگر ذریعہ ہوتی ہیں۔ اگر لوگ ان سے بھی فائدہ نہ اٹھائیں تو یہ ان کی محرومی ہی ہے!

'وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ' یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی مشیت ہمیشہ اس کے علم و حکمت پر مبنی ہوتی ہے۔ وہ ہر ایک کے ظاہر و باطن سے اچھی طرح واقف ہے اس وجہ سے ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جس کا وہ سزاوار ہوتا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۶-۳۸)

'فِيْ بُيُوْتٍ' کا کلام میں محل

'فِيْ بُيُوْتٍ الآية'۔ 'فِيْ بُيُوْتٍ' کا تعلق میرے نزدیک 'مِشْكٰوة' سے ہے۔ اس ظرف نے واضح کر دیا کہ اس تمثیل میں بیت خانوں اور مے خانوں کے طاق کی مثال پیش نہیں کی گئی ہے بلکہ اللہ کے معابد کے طاقوں کی مثال پیش کی گئی ہے۔ تمثیل میں ظاہر ہے کہ مشکوٰۃ سے مراد قلبِ سلیم یا بالفاظ دیگر قلبِ مومن ہے۔ یہ قلب ہر قالب میں نہیں پایا جاتا بلکہ خاص خاص قالبوں ہی میں پایا جاتا ہے اور یہ قوالب ہر جگہ نہیں ملتے بلکہ ان کے ملنے کی اصل جگہ خدا کی مساجد اور اس کے معابد ہیں۔ زمخشریؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ ان کے نزدیک اصل تالیفِ کلام یوں ہے "فی بیت من بیوت اذن اللہ ان ترفع ...... الآیۃ"

تمثیل میں معابد کے ذکر کی وجہ

**تمثیل میں اشارہ مساجد کے طاقوں کی طرف ہے**

اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ'۔ 'رفع' یہاں بنانے اور تعمیر کرنے کے معنی میں ہے۔ مثلاً وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ (بقرہ ۱۲۷) (اور یاد کرو جب کہ ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں تعمیر کر رہے تھے) اور 'ذکر' یہاں نماز اور ذکر و دعوت کی ان تمام شکلوں پر حاوی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے اختیار کی جائیں۔ 'اذن اللہ' سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ گھر خدا کے حکم سے تعمیر ہوئے کہ ان میں اس کا کلمہ بلند کیا جائے۔ اگرچہ یہاں الفاظ عام ہیں لیکن ان کے اولین مصداق وہ معابد ہیں جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہوئے مثلاً بیت اللہ جس کی تعمیر کا حکم اللہ تعالیٰ نے حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو دیا یا بیت المقدس جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے فرمائی۔ پھر وہ معابد بھی انہی کے حکم میں داخل ہوں گے جو ان کی شاخوں کی حیثیت سے تعمیر ہوئے۔ رہے وہ معابد جو مشرکوں نے اذنِ الٰہی کے بالکل خلاف اپنے اصنام و اوثان کی پرستش کے لیے قائم کیے وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ ان کی حیثیت نجاست خانوں کی ہے۔ ان کے طاق اس تمثیل میں مراد نہیں ہیں۔

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ

**نور کے بعد اثر کا بیان**

اوپر آیات میں ایمان کی تصویر و تمثیل ہے۔ جب بات مساجد کے ذکر تک پہنچ گئی تو وہیں سے حاملینِ ایمان کے ذکر کے لیے نہایت موزوں تقریب پیدا ہو گئی تاکہ واضح ہو جائے کہ اس ایمان کے جو لوگ حامل ہوتے ہیں ان کی زندگی کیا ہوتی ہے۔ یہ مؤثر کی وضاحت کے بعد گویا اثر کا بیان ہوا تاکہ حقیقت عملی زندگی میں مصور ہو کر سامنے آ جائے۔ فرمایا کہ جن مساجد و معابد کے طاقوں کی یہاں تمثیل پیش کی گئی ہے ان میں صبح و شام اللہ کے ایسے بندے اس کی تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور بیع خدا کی یاد، نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے اس لیے کہ وہ ایک ایسے دن کی آمد سے ہر وقت اندیشہ ناک رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھوں سب پر حالتِ اضطراب طاری ہوگی۔

**'غدو و آصال' کا مفہوم**

'غدو و آصال' عربی میں اس مفہوم میں بولے جاتے ہیں جس مفہوم میں ہم اپنی زبان میں صبح و شام کے الفاظ بولتے ہیں۔

**'رجال' سے مراد**

لفظ 'رجال' سے ان لوگوں کی غایت درجہ تعریف واضح ہو رہی ہے۔ یعنی یہ وہ مردانِ خدا ہیں کہ انھیں اس دنیا کی کوئی چیز بھی خدا سے غافل نہیں کرتی۔ انھیں ہر چیز سے زیادہ خدا کی رضا مطلوب ہے۔

**'تجارۃ' اور 'بیع' کا مفہوم**

'تجارۃ' اور 'بیع' میں سے پہلا لفظ تو عام تجارتی کاروبار کے مفہوم میں ہے اور بیع بیچنے کے معنی میں مشہور ہے۔ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ اگر کسی چیز کے بیچنے کا موقع ہو تو تاجر اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ تجارت تو درکنار اس طرح کے مواقع طمع بھی ان کو خدا سے غافل نہیں کرتے اور مومن کی اصل شان یہی ہے کہ وہ تجارت اور بیع و شرا سب کچھ کرے لیکن خدا کی یاد اور اس کے فرائض کی بجا آوری

سے غافل نہ ہو۔

نماز اور زکوٰۃ

نماز اور زکوٰۃ کا ذکر دین کے دو بنیادی فرائض کی حیثیت سے آیا ہے۔ انہی کے تحت، درحقیقت، پورا دین ہے۔ اس کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں۔

’تتقلب القلوب والابصار‘ کا مفہوم

’تتقلب فیہ القلوب والابصار‘ قیامت کے ہول کی تصویر ہے۔ یعنی اس دن ان لوگوں کو کسی کل چین نہیں پڑے گا جنھوں نے زندگی اس دن سے غفلت میں گزاری۔ ان کے دل اڑے جا رہے ہوں گے اور ان کی یہ بدحواسی ان کی نگاہوں سے ظاہر ہوگی۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۸)

’ل‘ ثمرۂ فعل کے اظہار کے لیے

یہ ’ل‘ لام علت نہیں ہے بلکہ یہ وہ لام ہے جو کسی فعل کے انجام، نتیجہ اور ثمرہ کے بیان کے لیے آتا ہے۔ مثلاً فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (قصص: ۸) (اور فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا کہ وہ ان کے لیے دشمن اور غم بنے) امرؤ القیس کا ایک مشہور شعر ہے۔ ؎

وما ذرفت عیناک الا لتضربی

بسہمیک فی اعشار قلب مقتل

اس میں بھی غور کیجیے، لتضربی پر ’ل‘ نتیجہ فعل ہی کے بیان کے لیے ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ آخرت کے اندیشہ سے اس دنیا میں، اللہ کی رضا جوئی کے لیے کر رہے ہیں اس کا صلہ ان کو ان کے اعمال سے کہیں بہتر ملے گا اور پھر مزید براں اللہ ان کو اپنے فضل سے نوازے گا اور اللہ جن کو اپنے فضل سے نوازتا ہے ان کو بے حساب بخشتا ہے ’بے حساب‘ یعنی جس کا ان کو سان گمان بھی نہیں ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۳۹)

کفر اور اہل کفر کے ظاہر و باطن کی تمثیل

ایمان اور حاملین ایمان کے ایمان و عمل کی تمثیل بیان کرنے کے بعد یہ کفر اور اہل کفر کے ظاہر و باطن کی تمثیل بیان ہو رہی ہے کہ اُدھر جس درجے کی روشنی ہوتی ہے ادھر اسی درجے کی تاریکی ہوتی ہے۔ اہل ایمان کی تمثیل میں پہلے مؤثر یعنی ایمان کو نمایاں فرمایا تھا اس کے بعد اثر یعنی عمل کو اور اہل کفر کی تمثیل میں پہلے اثر کو نمایاں فرمایا ہے، اس کے بعد مؤثر کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ایک گہری حقیقت ہے جس کی جڑیں انسانی فطرت کے اعماق کے اندر اتری ہوئی ہوتی ہیں اور درحقیقت اسی کے بابرکت اثرات و ثمرات ہوتے ہیں جو زندگی کے اعمال و اخلاق میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس کفر گھورے پر اُگے ہوئے ایک درخت کے مانند ہوتا ہے جس کے زہریلے پھل تو اعمال و کردار کی صورت میں سامنے ہوتے ہیں لیکن فطرت کے اندر اس کی کوئی جڑ نہیں ہوتی جس کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہو۔

فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کی اور ان کے اعمال کی تمثیل یوں ہے کہ جیسے کسی چٹیل ریگستان میں سراب ہو جس کو پیاسا پانی سمجھ کر اس کی طرف بڑھے لیکن جب وہاں پہنچے تو اس پر یہ راز کھلے کہ وہ جس چیز کو لہریں لیتا ہوا پانی سمجھا وہ درحقیقت چمکتی ہوئی اور لہریں لیتی ہوئی ریت تھی اور یہ دیکھ کر وہ بالکل عاجز و درماندہ ہو کر رہ جائے۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن! بالآخر وہیں پیاس سے تڑپ کر دم توڑ دے۔ فرمایا کہ یہی حال ان کفار کا قیامت کے دن ہوگا۔ یہ بھی جب اپنے اعمال کے پاس پہنچیں گے تو ان پر یہ راز کھلے گا کہ ان کے سارے اعمال 'ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا' خاک اور راکھ ہو کر پراگندہ ہو گئے۔ البتہ اس دن اپنے اعمال کی جگہ وہ اپنے رب سے دوچار ہوں گے اور وہ ان کا حساب پورا کر دے گا اور وہ چشم زدن میں حساب چکا دینے والا ہے۔

کفار کی محرومی کی تصویر بروز قیامت — 'حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ' سے لے کر آخر آیت تک اس محرومی کی تصویر ہے جس سے ان کفار کو آخرت میں سابقہ پیش آئے گا یعنی پوری بات یوں ہے کہ 'حتّٰی اذا جاء الکافر اعمالہ یوم القیٰمۃ' چونکہ تمثیل میں اصل مقصد آخرت کی محرومی ہی کو واضح کرنا تھا اس وجہ سے کلام کا رخ بے تکلف اس کی طرف مڑ گیا اور ضمیر مفعول میں رعایت مشبہ بہ یعنی 'سراب' کی ہے۔

قرآن میں لفظ 'کفار' کا مفہوم — لفظ 'کفار' یا 'اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا' کہیں قرآن میں صرف منکرین خدا کے لیے استعمال نہیں ہوا ہے۔ قرآن کے مخاطبوں میں کوئی گروہ بھی منکرِ خدا نہیں تھا بلکہ سب مشرک تھے۔ انھیں مشرکوں کو قرآن نے کہیں کفار کہا ہے اور کہیں مشرکین، اس لیے کہ شرک درحقیقت کفر ہی ہے۔ دین میں خدا کا صرف مان لینا ہی مطلوب نہیں بلکہ اس کی تمام صفات اور ان صفات کے تمام تقاضوں کے ساتھ ماننا مطلوب ہے۔ جو شخص خدا کو اس کی صفات اور ان کے مقتضیات کے ساتھ نہیں مانتا ہے اس کے سارے اعمال قیامت کے دن بالکل بے وزن ہو کے رہ جائیں گے خواہ اس نے وہ نیکی ہی سمجھ کر انجام دیے ہوں۔

احمقوں کے مغالطہ کا ازالہ — 'وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ' کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں۔ یہ درحقیقت اس مغالطہ کو رفع کرنے کے لیے فرمایا ہے جس میں احمق لوگ مبتلا ہوتے ہیں کہ آخرت اور حساب کتاب اگر ہے بھی تو یہ اتنی دور کی بات ہے کہ اس کے لیے ابھی سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اتنی بڑی دنیا اور اتنے بے شمار اشخاص و افراد کے تمام اعمال و اقوال کا حساب کتاب کون کر سکتا ہے! فرمایا کہ جن لوگوں نے اس قسم کے اوہام میں پڑ کر ساری زندگی بطالت اور بدمستی میں گزار دی وہ آخرت میں دیکھیں گے کہ سارا حساب کتاب پلک جھپکتے سب کے سامنے آ گیا ہو۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (۴۰)

'لُجّی' کا مفہوم — 'بَحْرٍ لُّجِّیٍّ' گہرے سمندر کو کہتے ہیں۔ 'لُجّ' سمندر کا وہ حصہ جہاں پانی سب سے زیادہ گہرا ہو۔ 'لُجّی' اسی کی طرف نسبت ہے۔

کفار کی ذہنی تاریکی کی تمثیل

اوپر والی آیت میں اہل کفر کے اعمال کی مثال تھی۔ اب یہ ان کی ذہنی تاریکی کی تمثیل ہے کہ وہ خدا کو نہ ماننے یا صحیح طور پر نہ ماننے کے سبب سے ایک گھٹاٹوپ اندھیرے کے اندر زندگی گزارتے ہیں۔ اس اندھیرے کی مثال یہ ہے کہ گہرا سمندر ہو، رات اندھیری ہو، موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو اور اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں اور یہ ان تہ بہ تہ تاریکیوں کے اندر گھرے ہوئے ہوں۔ حال یہ ہو کہ اگر ہاتھ بھی نکالیں تو وہ بھی سجھائی نہ دیتا ہو۔ فرمایا کہ روشنی تو خدا کے ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کو اس کی بدبختی کے سبب سے خدا نے ایمان کی توفیق نہیں بخشی اس کو کہیں سے بھی روشنی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ جب تک ایمان کی شاہراہ پر نہیں آئے گا اسی طرح تاریکیوں میں بھٹکتا رہے گا اور دن بدن اس کی تاریکیوں میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔

## ۹۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۴۱-۵۷

ایمان اور کفر کی حقیقت واضح کر دینے کے بعد آگے کی آیات میں ایمان باللہ کی دعوت ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی ان صفات اور نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی جو شہادت دیتی ہیں کہ اس کائنات میں اسی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا تصرف ہے، کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اس وجہ سے سب اپنے آپ کو اسی کے حوالہ کریں۔ پھر خاص طور پر منافقین کو تنبیہ کیا ہے کہ اب ان کی منقسم وفاداری کی پالیسی نہیں چل سکتی، وہ یا تو یکسو ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں داخل ہو جائیں ورنہ یاد رکھیں کہ اللہ اس سرزمین میں اپنے مخلص بندوں کو اقتدار بخشے گا اور ان کے تمام دشمن، خواہ چھپے ہوئے ہوں یا کھلے ہوئے، ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔ ——— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۱-۵۷

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ
كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾
وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ
يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ
فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ
يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً

لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۴۴ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ
عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى
اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۴۵ لَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۴۶
وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۴۷ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۴۸ وَاِنْ
يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۴۹ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ
بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۵۰ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا ع ۱۰ ۱۲
اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَ
اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵۱ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ
اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۵۲ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ
مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۵۳ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ
اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا
حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ۵۴ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ

لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ
ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ع ۷ / ۱۳ مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

ترجمۂ آیات ۴۱-۵۷

دیکھتے نہیں کہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی پروں کو پھیلائے ہوئے۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ باخبر ہے اس چیز سے جو وہ کر رہے ہیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہی کی طرف ہے سب کی واپسی۔ ۴۱-۴۲

دیکھتے نہیں کہ اللہ ہانکتا ہے بادلوں کو، پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے، پھر ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ پھر دیکھتے ہو کہ ان کے بیچ سے مینہ نکلتا ہے۔ اور آسمان سے —— اس کے اندر کے پہاڑوں سے —— اولے برساتا ہے۔ پس جن پر چاہتا ہے ان کو نازل کرتا ہے اور جن سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے۔ اس کی بجلی کی کوند معلوم ہوتا ہے کہ نگاہوں کو اُچک لے جائے گی۔ اللہ ہی ہے جو رات اور دن کو گردش دیتا ہے۔ بے شک ان چیزوں کے اندر اہلِ نظر کے لیے بڑا سامانِ عبرت ہے۔ ۴۳-۴۴

اور اللہ نے پیدا کیا ہر جاندار کو پانی سے، تو ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض دو پاؤں سے چلتے ہیں اور ان میں سے بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہے پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۴۵

ہم نے واضح کر دینے والی آیات اتار دی ہیں اور اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ

کی ہدایت دیتا ہے۔ ۴۶

اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی۔ پھر ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ درحقیقت مومن نہیں ہیں اور جب یہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ پہلوتہی کرتا ہے۔ اور اگر حق ان کو ملنے والا ہو تو اس کی طرف نہایت فرمانبردارانہ آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا یہ ابھی شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔ اہلِ ایمان کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب وہ اپنی کسی باہمی نزاع کے فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا اور درحقیقت یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے اور جو اس سے ڈریں گے اور اس کے حدود کی پاسداری کریں گے، وہی لوگ ہیں جو فائز المرام ہوں گے۔ ۴۷-۵۲

اور انھوں نے پکی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر تم ان کو جہاد کا حکم دو گے تو وہ ضرور نکلیں گے۔ کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ بس دستور کے مطابق اطاعت اصل چیز ہے! جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ ان سے کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ رسول پر صرف وہ ذمہ داری ہے جو اس پر ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو راہ یاب ہو گے اور رسول پر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ ۵۳-۵۴

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے عملِ صالح کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے

اس دین کو متمکن کرے گا جس کو ان کے لیے پسندیدہ ٹھہرایا اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو درحقیقت وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ۵۵

اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے اور ان کافروں کی نسبت یہ گمان نہ کرو کہ یہ زمین میں ہمارے بے قابو سے باہر نکل جائیں گے۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ بے شک نہایت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ ۵۶-۵۷

---

## ۱۰- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (۴۱)

*اس کائنات کی ہر چیز اپنے عمل سے خدا کی تسبیح کی دعوت دیتی ہے*

بعینہٖ یہی مضمون سورۂ حج کی آیت ۱۸ میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم اس کی پوری وضاحت کر چکے ہیں۔ اس کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے اور ان کی ظاہری حالت، جو ہمارے مشاہدے میں آتی ہے، اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جس طرح وہ اپنے ظاہر میں ہر آن اپنے رب کے آگے سرفگندہ اور اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم ہیں اسی طرح ان کا باطن بھی ہر لحظہ اپنے رب کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہے۔ اگرچہ ہم ان کی زبان اور ان کی حرکات سے اچھی طرح آشنا نہ ہونے کے سبب سے، جیسا کہ فرمایا ہے۔ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (اسراء۔ ۴۴) ان کی تسبیح و نماز کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ ساری چیزیں اپنی زبانِ حال سے انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ بھی اس حمد و تسبیح میں ان کے ساتھ شامل ہو اور انہی کی طرح صرف اپنے رب ہی کی بندگی کرے۔ اگر وہ اس سے کوئی الگ راہ اختیار کرتا ہے تو گویا وہ ساری دنیا سے بالکل جدا راہ اختیار کرتا ہے اور ایک ایسی راگنی چھیڑتا ہے جو اس کائنات کے مجموعی نغمہ سے بالکل بے جوڑ ہے۔ اس میں خدا کی راہ اختیار کرنے والوں کی ہمت افزائی بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو تنہا یا اقلیت میں نہ سمجھیں اس راہ کا مسافر کبھی تنہا نہیں ہوتا۔ یہ راہ قافلوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں ساری کائنات اس کی ہم سفر ہے۔ اگر تھوڑے سے ناشکرے انسان اس سے الگ ہوں تو ان کی علیحدگی سے وہ کیوں بددل اور مایوس ہو جب کہ خدا کے آسمان و زمین، اس کے شمس و قمر، اس کے دریا اور پہاڑ اور اس کے سارے چرند و پرند ہر وقت اس کے ہم رکاب ہیں۔

**فضا کے پرندوں کی عبادت کی طرف اشارہ**

"وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ" یہ آسمان و زمین کے درمیان کی چیزوں میں سے پرندوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ پرندے بھی فضا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے خدا ہی کی تسبیح کرتے ہیں۔ دوسرے مقام میں پرندوں کے نغموں اور چہچہوں کا حوالہ ہے۔ یہاں ان کے پروں کے پھیلانے کا ذکر ہے جو خدا کے آگے ان کے افتراش کی تصویر ہے۔

**ہر چیز کی عبادت کا طریقہ الگ الگ ہے**

"كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ" یعنی یہ نہ خیال کرو کہ دنیا کی ہر چیز کے لیے خدا نے نماز اور تسبیح کا ایک ہی طریقہ ٹھہرایا ہے بلکہ اس نے ہر چیز کو تسبیح و عبادت کے الگ الگ طریقے الہام فرمائے ہیں اور ہر چیز نے اپنی نماز و تسبیح کا طریقہ اچھی طرح سیکھ لیا ہے اور وہ اسی طریقہ کے مطابق خدا کی حمد و تسبیح کرتی ہے۔

"وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ" یعنی اگر تم ان کی تسبیح و عبادت کو نہیں جانتے تو اس سے کچھ فرق پیدا نہیں ہوتا۔ خدا ان کے ان تمام کاموں سے واقف ہے جو وہ کرتے ہیں اور خدا ہی تم کو ان کے اس کام سے آگاہ کر رہا ہے تاکہ تم اس سے سبق حاصل کرو۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (۴۲)

**عبادت کا حقدار صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے**

یہ اس بات کی دلیل ارشاد ہوئی کہ کیوں ہر چیز خدا ہی کی حمد و تسبیح کرتی ہے اور کیوں سب کو اسی کی حمد و تسبیح کرنی چاہیے۔ فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کی ہے اور سب کی واپسی بھی بالآخر خدا ہی کی طرف ہوتی ہے۔ نہ اس کائنات کے نظام میں کسی کا کوئی دخل ہے اور نہ آخرت میں خدا کے سوا کوئی اور مرجع و ماویٰ بننے والا ہے تو جب یہاں اور وہاں ہر جگہ سارا اختیار و اقتدار اسی کو حاصل ہے تو اس کے سوا کسی دوسرے کی تسبیح و عبادت کس حق کی بنا پر کی جائے!

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ (۴۳)

**رحمت اور نقمت دونوں خدا ہی کے اختیار میں ہیں**

یہ دلیل بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ اس کائنات میں سارا اختیار و اقتدار صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ وہی اس میں اپنے اختیار مطلق سے جو تصرف چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی حکمت کے سوا اور کوئی اس میں دخیل نہیں ہے۔ دیکھو، زمین پیاسی ہوتی ہے، کسی کی طاقت نہیں کہ آسمان سے پانی کی ایک بوند ٹپکا دے۔ وہی اپنی ہواؤں سے بادلوں کو ہانک کر لاتا ہے، ان کے الگ الگ ٹکڑوں کو باہم جوڑ کر ان کو تہ بہ تہ کرتا ہے۔ پھر ان سے ابرِ رحمت برساتا اور ساری زمین کو جل تھل کر دیتا ہے۔ اسی طرح دیکھو، اس کی رحمت کی طرح اس کی نقمت بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ انہی بادلوں کو جس کے لیے وہ چاہے عذاب بنا دیتا ہے وہ ان کے لیے پانی کے بجائے اپنے اندر گویا اولوں کے پہاڑ چھپائے ہوئے نمودار ہوتے ہیں۔ پھر جن پر

اس کا حکم ہوتا ہے وہ اولوں کی سنگ باری کر کے ان کو تباہ کر دیتے ہیں اور جن کو وہ چاہتا ہے اس آفت سے بچا لیتا ہے۔ کسی دوسرے کی مجال نہیں کہ وہ اس آفت سے اپنے کو یا دوسروں کو بچا سکے۔ ان بادلوں کے اندر جو بجلی ہوتی ہے اس کی چمک کا یہ حال ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کو اچک لے جائے گی۔

یہ امر واضح رہے کہ اس ایک ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و نقمت دونوں پر اپنے تنہا اختیار کو واضح فرمایا ہے۔ پہلے ٹکڑے میں رحمت کی تمثیل ہے اور دوسرے ٹکڑے میں، جو وَّ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ سے شروع ہوتا ہے، اس کے عذاب کی تمثیل ہے۔ اس میں اشارہ سرما کے ان بادلوں کی طرف ہے جو تند ہواؤں، شدید کڑک دمک اور اولوں کے ساتھ نمودار ہوتے اور ان سے ایسی بے پناہ ژالہ باری ہوتی کہ بستیاں کی بستیاں ان کے نیچے ڈھک جاتیں۔ گویا ان کے اندر اولوں کے پہاڑ ہیں۔ قرآن نے عذاب الٰہی سے جن قوموں کی تباہی کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض قومیں اسی آفت سے تباہ ہوئیں۔ ہم ان کا ذکر ان کے محل میں کر چکے ہیں۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (۴۴)

رات اور دن کی آمد و شد پر تنہا اللہ ہی کا اختیار ہے

اسی طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کو لانا بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ رات میں دن ظاہر کر دے یا دن میں رات نمودار کر دے یا ان کی آمد و شد میں منٹ یا سیکنڈ کا فرق ہی پیدا کر دے۔ فرمایا کہ ان تمام باتوں کے اندر جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، اہل نظر کے لیے بڑا سامان عبرت ہے۔ 'عبرۃ' کا مفہوم ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت تک عبور کر جانا ہے۔ یعنی جو لوگ وہ نظر رکھتے ہیں جو ظاہر کے اندر باطن اور جزئیات کے اندر کلیات کو دیکھ لینے والی ہے ان کو ان شاہدات کے بعد اس بات میں ذرا بھی شک باقی نہیں رہ سکتا کہ یہ کائنات ایک خدائے حکیم و قدیر کی بنائی ہوئی ہے جو اس ساری کائنات پر یکہ و تنہا حاکم و متصرف ہے اس وجہ سے تنہا وہی حقدار ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہی 'عبرۃ' انسانیت کا اصلی جوہر ہے۔ اگر یہ جوہر کسی کے اندر نہیں ہے تو وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے اور جو آنکھ ظاہر کے اندر باطن کو نہ دیکھ سکے وہ کور ہے۔

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۴۵)

تعدد انواع تعدد الٰہ کی دلیل نہیں

یعنی انواع و اجناس اور اشکال و صور کا اختلاف و تعدد بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کائنات میں مختلف ارادے کار فرما ہیں، جیسا کہ نادان مشرکوں نے سمجھا، بلکہ یہ اس دنیا کے خالق کی

قدرت و حکمت کی دلیل ہے۔ ایک ہی پانی سے اس نے تمام جانداروں کو وجود بخشا۔ ان میں سے بعض پیٹوں کے بل رینگتے ہوئے چلتے ہیں، بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ دو ٹانگوں والوں کا خالق الگ اور چار ٹانگوں والوں کا خدا الگ ہے! سب کا خالق ایک ہی ہے۔ وہی اپنی قدرت سے جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جس کو جو شکل و صورت چاہتا ہے دیتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اس وجہ سے سب کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اسی کے حوالہ اور اسی کی بندگی و اطاعت کریں۔

لَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۴۶)

**ہدایت و ضلالت کے معاملہ میں سنتِ الٰہی**

یہ اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہ آیت ۳۴ میں گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ آنکھیں کھول دینے والی اور صراطِ مستقیم کو دکھا دینے والی آیتیں اتار دی ہیں۔ اب ہم اپنی سنت کے مطابق ان لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیں گے جو اس کے طالب بنیں گے۔ رہے ناقدرے اور ناشکرے لوگ تو وہ اپنی خواہشاتِ نفس کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کا انجام ان کی آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ یہ بات ہم جگہ جگہ واضح کر چکے ہیں کہ خدا نے اپنی مشیت کو اپنی سنت کے تحت رکھا ہے جو اس اعتبار سے تو مطلق ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا اس کو بدل نہیں سکتا لیکن اس کی ہر مشیت اس کی حکمت کے ساتھ ہے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ (۴۷)

**منافقین کے رویہ پر تبصرہ**

تفویض الی اللہ کی عام دعوت کے بعد اب یہ خاص طور پر منافقین کو لیا ہے جن کے فتنے اس دور میں، جیسا کہ فتنۂ افک سے معلوم ہوتا ہے، بہت بڑھ گئے تھے۔ فرمایا کہ جہاں تک زبانی اظہار و اعلان کا تعلق ہے یہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح اللہ و رسول کے ایمان اور اطاعت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب اس دعوائے ایمان و اطاعت کے امتحان کا وقت آتا ہے تو یہ بالکل پھسڈی ثابت ہوتے ہیں۔

'وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ' یعنی اس قسم کے مدعیانِ ایمان اللہ کے نزدیک مومن نہیں ہیں۔ ایمان کا حق صرف کلمہ پڑھ دینے سے پورا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے شرط لازم ہے کہ اللہ و رسول کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی شخص یہ شرط پوری نہیں کرتا تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا اور پکا منافق ہے۔

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ (۴۸)

**رسول کی عدالت سے کترانے والے منافقین**

یہ ان کے نفاق اور عدمِ ایمان کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ جب ان کے درمیان کوئی قضیہ پیدا ہوتا ہے اور ان کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اس کو اللہ اور رسول کے سامنے پیش کریں تاکہ اللہ کا رسول اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے تو ان میں سے ہر ایک گروہ برابر اعراض کی روش اختیار کرتا ہے۔ اللہ

کی طرف دعوت کے معنی ظاہر ہے کہ اللہ کے قانون کے سامنے پیش کرنے کی دعوت کے ہیں جس کا ترجمان اللہ کا رسول ہوتا ہے۔ اللہ کا رسول جو فیصلہ کرے وہی اللہ کا فیصلہ ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ و رسول کے ایمان کا مدعی ہے لیکن اپنے معاملات کے فیصلہ کے لیے دوسروں کی طرف رجوع کرتا ہے، رسول کی عدالت سے کتراتا ہے تو وہ منافق ہے۔

یہاں وہ بات یاد رکھیے جو اس کتاب میں دوسرے مقام میں تفصیل سے بیان ہو چکی ہے کہ ابتداءً جب تک اطرافِ مدینہ میں یہود بھی اپنے اپنے دائروں میں اثر و رسوخ رکھتے رہے، منافقین کی یہ روش رہی کہ وہ اپنے قضیے انہی کی عدالتوں میں لے جاتے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ یہود نے شریعتِ الٰہی کو محرف کر کے بالکل خواہشاتِ نفس کے سانچے میں ڈھال لیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے حکام کو رشوت دے کر بڑی آسانی سے خریدا جا سکتا تھا۔ اس صورتِ حال سے منافقین یہ فائدہ اٹھاتے کہ اگر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے اپنے حسبِ منشار فیصلہ حاصل کر سکنے کی توقع ہوتی تب تو اپنے ایمان و اسلام کی نمائش کے لیے نہایت فرمانبردارانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ لاتے اور اگر یہ توقع نہ ہوتی تو یہود کی عدالتوں سے رجوع کرتے۔

وَاِنْ یَّکُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ (۴۹)

یعنی اگر انھیں یہ اندازہ ہوتا کہ پیشِ نظر قضیہ میں اسلام کے قانون کا فیصلہ ان کے حق میں ہے تب تو نہایت فرمانبردارانہ معاملہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں لاتے اور اگر یہ اندازہ ہوتا کہ اسلام کا قانون ان کے مفاد کے خلاف ہے تو یہود کی عدالتوں میں لے جاتے۔ ان کی اس روش کو قرآن نے 'تحاکم الی الطّاغوت' سے تعبیر کیا ہے اور اس کو شرک قرار دیا ہے جس کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں۔

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۵۰)

'مرض' کا مفہوم

لفظ 'مَرَضٌ' جیسا کہ ہم اس کے محل میں واضح کر چکے ہیں، قرآن میں حسد کی تعبیر کے لیے بھی آیا ہے اور نفاق کی تعبیر کے لیے بھی۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس سے نفاق مراد ہے۔ حسد و نفاق دونوں کا دل کی بیماری کی حالت ہونا واضح ہے۔

'ارتیاب' کا مفہوم

'اِرْتِیَاب' کے معنی مبتلائے شک ہونے کے ہیں۔ یہ شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے باب میں بھی ہو سکتا ہے اور اسلام کے مستقبل کے باب میں بھی۔ منافقین کی مذبذب پالیسی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ ڈرتے تھے کہ مسلمانوں اور ان کے مخالفوں میں جو کشمکش اس وقت برپا ہے اس میں آخری بازی معلوم نہیں کس کی رہے تو مصلحت یہی ہے کہ دونوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا تعلق باقی رکھا جائے تاکہ دونوں میں سے جس کی بھی فتح ہو اپنا مفاد محفوظ رہے۔

**'حیف' کا مفہوم**

'حیف' کے معنی ظلم و جور کے ہیں۔

**منافقین کی پالیسی کا پوسٹ مارٹم**

فرمایا کہ ان منافقین نے یہ 'نیمے دروں نیمے بروں' کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے یہ تین حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو ان کے دلوں کے اندر نفاق کا روگ ہے، یا وہ رسول کی رسالت اور اسلام کے مستقبل کی طرف سے ابھی شک میں ہیں یا انھیں اندیشہ ہے کہ اگر وہ اپنے معاملات اللہ و رسول کی عدالت میں لائیں گے تو اللہ و رسول ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے۔ اب وہ خود فیصلہ کریں کہ وہ ان تینوں میں سے کسی ایک بیماری میں مبتلا ہیں یا بیک وقت تینوں ہی میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے جو بات بھی ہو بہرحال وہ ایمان کے منافی ہے۔

**منافقین کے رویّہ پر تبصرہ**

'بَلْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ' یعنی انھیں اللہ و رسول سے ظلم و ناانصافی کا اندیشہ ہے حالانکہ وہ یہ روش اختیار کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ وہ اپنے گمان میں اپنے مستقبل کے مفاد کو محفوظ کر رہے ہیں حالانکہ انھوں نے ایک گرتی دیوار کے سایہ میں پناہ لی ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۱)

**سچے مسلمانوں کی شان**

یہ سچے مسلمانوں کی شان بتائی کہ ان کو جب کسی معاملہ کے فیصلہ کے لیے اللہ و رسول کی طرف بلایا جائے تو ان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ یہ کہتے ہوئے اس کو قبول کریں کہ 'ہم نے سنا اور مانا' فرمایا کہ جو لوگ اس طرح ہر لوث اور ہر طمع و خوف سے بالاتر ہو کر اپنے آپ کو اللہ و رسول کے حوالہ کریں گے درحقیقت دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے حقیقی مفاد کو محفوظ کرنے والے وہی ہیں نہ کہ یہ لوگ جو بیک وقت کفر و اسلام دونوں سے اپنے مفاد کے حد تک دوستی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ دو کشتیوں کے سوار لازماً ڈوب کے رہیں گے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۵۲)

'یَتَّقْہِ' میں تخفیف کی وجہ سے لفظ کی شکل کچھ بدل گئی ہے لیکن اس قسم کی تخفیف عربی میں معروف ہے۔

**'خشیت' اور 'تقویٰ' سے مراد**

'خشیۃ' اور 'تقویٰ' یہاں دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک 'خشیۃ' یہاں دل کی حالت کی تعبیر کے لیے ہے اور 'تقویٰ' سے مراد حدودِ الٰہی کی پاسداری ہے۔ یعنی ایک کا تعلق باطن سے ہے، دوسرے کا تعلق ظاہر سے۔

**اصل فائز المرام گروہ**

فرمایا کہ اصل فائز المرام ہونے والے وہ لوگ ہیں جو نرم و گرم ہر طرح کے حالات میں، اپنے تمام ذاتی اغراض و مفادات سے بالاتر ہو کر، اللہ و رسول کی اطاعت کریں اور ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو اور وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں خدا کے حدود کی پوری پوری پاسداری کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجات و فلاح کے لیے اوّل تو مجرد دعوائے ایمان کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بھی شرط لازم ہے۔ ثانیاً محض اطاعت بھی کافی نہیں ہے بلکہ اس اطاعت کے ساتھ خدا کی خشیت اور تقویٰ بھی

ہونا ضروری ہے۔ فرمایا کہ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ' یہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں۔ رہے وہ مفاد پرست جو محض اپنے مفاد کے حد تک اللہ و رسول کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اللہ اور رسول کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ اَمَرْتَھُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَۃٌ مَّعْرُوْفَۃٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵۳)

منافقین کی روش جہاد کے معاملہ میں

سمع و طاعت کا عہد کرنے کے باوجود منافقین جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے کتراتے تھے اسی طرح جہاد سے بھی کتراتے تھے۔ زبان سے لاف زنی کا تو یہ حال تھا کہ جب جہاد کا ذکر آتا تو بڑھ بڑھ کر اور زور دار قسمیں کھا کھا کے حضورؐ کو یقین دلاتے کہ جب آپ کا حکم ہوگا ہم جان و مال سے حاضر ہیں لیکن جب وقت آتا تو کترا جاتے۔ فرمایا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ قسمیں زیادہ نہ کھاؤ، قسمیں عمل کا بدل نہیں بن سکتیں۔ اصل شے جو مطلوب ہے وہ اصول کے مطابق اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ اگر یہ چیز موجود نہیں ہے تو خالی خولی قسموں سے تم کتنے دن اپنے کردار پر پردہ ڈالے رکھ سکو گے!۔

اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ' یعنی ان جھوٹی قسموں سے تم دوسروں کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن اس علام الغیوب کو کس طرح دھوکا دے سکتے ہو جو تمہارے ہر قول و فعل سے اچھی طرح باخبر ہے۔

قرآن میں منافقین کے زیادہ قسمیں کھانے کا ذکر دوسرے مقامات میں بھی گزر چکا ہے اور آگے بھی آئے گا۔ اس کی نفسیاتی وجہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ جن کے پاس کردار کی شہادت موجود نہیں ہوتی وہ اپنے کو معتبر ثابت کرنے کے لیے قسموں ہی کو ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کے دلوں کے اندر یہ چور چھپا ہوا ہوتا ہے کہ جب تک وہ قسم نہیں کھائیں گے مخاطب ان کی بات باور نہیں کرے گا۔ ثقہ اور صاحب کردار آدمی کو اپنے کردار پر اعتماد ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو قسم کھانے کی ضرورت زیادہ پیش نہیں آتی۔

'طَاعَۃٌ مَّعْرُوْفَۃٌ' میں تالیف کلام

'طَاعَۃٌ مَّعْرُوْفَۃٌ' اسی طرح کا جملہ ہے جس طرح 'فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ' ہے۔ یہ خبر محذوف کا مبتدا بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ اگر نکرہ موصوف ہو تو اس کے اندر مبتدا ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور مبتدائے محذوف کی خبر بھی۔ دونوں ہی صورتوں میں مفہوم میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوگا اس لیے کہ اس قسم کے حذف سے اصل مقصود مخاطب کی پوری توجہ کو مذکور پر مرتکز کرنا ہوتا ہے اور یہ چیز دونوں ہی صورتوں میں یہاں حاصل ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۵۴)

منافقین کو تہدید و نصیحت

یہ منافقین کو تنبیہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر اس چیز سے منہ موڑو گے تو یاد رکھو کہ تم رسول کا کچھ نہیں بگاڑو گے بلکہ اپنے ہی کو تباہ کرو گے۔ تمہارے معاملے میں رسول کے اوپر صرف اتنی ہی ذمہ داری ہے جو اللہ کی طرف سے اس پر ڈالی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ اللہ کا دین تمہیں واضح طور پر پہنچا دے۔

سو اس نے اپنا یہ فرض بحسن و خوبی ادا کر دیا۔ اب یہ ذمہ داری اس پر نہیں ہے کہ وہ تمھیں ایمان و ہدایت کے راستہ پر چلا بھی دے۔ ایمان و ہدایت کی راہ اختیار کرنے کی ذمہ داری خود تمھارے اوپر ہے اور خدا کے ہاں تمھی کو اس کی جواب دہی کرنی ہے کہ رسول کی بات تم نے کیوں نہیں مانی اور ہدایت کی راہ کیوں نہیں اختیار کی؟

'وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا'۔ اس فقرے میں تہدید اور نصیحت دونوں ہے۔ یعنی رسول کی اطاعت کرو، فوز و فلاح کی راہ اسی سے پاؤ گے ورنہ یاد رکھو کہ اپنی شامت بلاؤ گے۔

رسول کی ذمہ داری صرف بلاغ مبین ہے

'وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ'۔ یہ رسول کی ذمہ داری واضح فرما دی کہ خدا کی طرف سے اس پر ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ واضح طور پر لوگوں کو اللہ کا دین پہنچا دے۔ اب اس کے بعد اگر تم اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتے ہو تو اس کا خمیازہ خود بھگتو گے۔

ایمان کا لازمی تقاضا اطاعت

ان آیات میں دیکھ لیجیے بار بار ایمان کا لازمی تقاضا اللہ اور رسول کی اطاعت کو بتایا گیا ہے اور اللہ کی اطاعت کا راستہ رسول کی اطاعت کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر مجرد 'اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ' کہہ دینے سے اگر ایمان کا حق ادا ہو جاتا تو یہ منافقین اس اقرار و اعلان میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ وہ تو 'اٰمَنَّا' کے ساتھ 'اَطَعْنَا' کا بھی اقرار کرتے تھے اور اپنے دعوے کی صداقت پر نہایت پکی پکی قسمیں بھی کھاتے تھے۔ پھر آخر وہ 'فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ' کے سزاوار کیوں ٹھہرے!

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۵۵)

رسول کے پیروؤں کے لیے غلبہ و تمکن کی بشارت

یہ منافقین کے اس شک پر ضرب لگائی ہے جو اسلام کے مستقبل سے متعلق اپنے دلوں میں وہ رکھتے تھے اور جس کی طرف اوپر 'اَمِ ارْتَابُوْا' کے الفاظ سے اشارہ گزر چکا ہے۔ فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ پوری راست بازی کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کر لیں گے ان سے اللہ کا وعدہ ہو چکا ہے کہ اللہ ان کو اس سرزمین میں اسی طرح اقتدار بخشے گا جس طرح پچھلے رسولوں کی امتوں کو اس نے اقتدار بخشا اور ان کے دین کو، جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اس ملک میں مستحکم کرے گا اور ان کی اس خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔

یہاں جس وعدے کا حوالہ ہے اس کا ذکر سورۂ انبیاء، سورۂ حج اور سورۂ مؤمنون میں پوری وضاحت کے ساتھ گزر چکا ہے۔

'كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ' سے سابق رسولوں اور ان کی امتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ہم رسولوں کے باب میں اس سنت الٰہی کا حوالہ بار بار دے چکے ہیں کہ رسول اور اس کے پیروؤں کے لیے اس دنیا میں غلبہ لازمی ہے۔ رسول کے اتمام حجت کے بعد اس کے جھٹلانے والے لازماً تباہ کر دیے

گئے اور قیادت و سیادت کی باگ ان کے بعد ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو رسول پر ایمان لائے۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔ یعنی اس دینِ اسلام کو جس کو ان کے لیے اللہ نے پسند فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے، 'وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا' اس دین کو اس سرزمین میں متمکن کرے گا۔ یعنی اسی دین کا قانون اس ملک میں چلے گا اور اسی کی اساسات پر اس ملک کا نظام اجتماعی و سیاسی استوار ہوگا۔ اس دین کے سوا کسی اور دین کا اقتدار اس ملک میں باقی نہیں رہے گا۔

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا یعنی اس وقت اس دین کے دشمنوں کے سبب سے جو خوف و اندیشہ کی حالت ہے، یہ ایک عارضی حالت ہے۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے جب اس خوف کی حالت کو اللہ تعالیٰ امن سے بدل دے گا اور اس ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک کسی کی مجال نہ ہوگی کہ وہ اللہ کے دین یا اس دین کے حاملوں کے لیے کوئی خطرہ پیدا کر سکے۔

يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا۔ یعنی اس سرزمین پر تنہا میری ہی عبادت ہوگی، میرے سوا کسی اور کی عبادت نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح مکہ کے بعد جس طرح پورا ہوا وہ تاریخ کی ایک ایسی حقیقت ہے جس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ پورے جزیرۂ عرب کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ 'لا یجتمع فیھا دینان' (اس میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے)

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ یعنی آج تو ابھی امتحان اور آزمائش کا مرحلہ ہے اس وجہ سے ان لوگوں کو بھی مہلت ملی ہوئی ہے جو اللہ کے دین کی مخالفت کر رہے ہیں لیکن آگے فیصلہ کی گھڑی بھی آنے والی ہے اس وقت وہ لوگ اپنا انجام دیکھ لیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ سے مقصود اس کے لازم کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۵۶)

یہ علاج بتایا ہے کہ اگر اپنے دلوں کو نفاق، خوف اور شک کے امراض سے پاک رکھنا چاہتے ہو تو نماز کا اہتمام کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کے ہر حکم کی بے چون و چرا اطاعت کرو۔ اگر یہ راہ اختیار کرو گے تو تم پر اللہ کی رحمت ہوگی اور تم دنیا اور آخرت دونوں میں فائز المرام ہو گے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۵۷)

ان منافقین کے دلوں پر اسلام کے مخالفین خصوصاً قریش کی جو ہیبت طاری تھی یہ اس کو دور فرمایا ہے کہ ان کافروں کے متعلق یہ خیال نہ کرو کہ یہ ہمارے قابو سے باہر نکل جائیں گے۔ یہ اس زمین میں بھی ہمارے قابو میں ہیں اور آخرت میں تو ان کے لیے بہرحال دوزخ ہے ہی اور یاد رکھو کہ وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے۔

## ۱۱- آگے کا مضمون ____ آیات ۵۸-۶۴

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ آیات ۲۷-۳۱ میں پردہ سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں ان کے بارے میں جو سوالات و شکوک بعض لوگوں کے ذہنوں میں بعد میں پیدا ہوئے ان کی وضاحت ان آیات میں کی گئی ہے۔ یہ آیات چونکہ اصل احکام کے بعد نازل ہوئی ہیں اس وجہ سے ان کو سورہ کے آخر میں رکھا گیا اور ان کے ساتھ یہ تصریح بھی ہے کہ یہ آیات بطور وضاحت نازل ہوئی ہیں۔

آخر میں تین آیتیں منافقین سے متعلق ہیں جن کا ذکر اوپر آیات ۴۷-۵۷ میں ہوا ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں بھی بعد میں مزید تنبیہ کے طور پر نازل ہوئی ہیں اس وجہ سے اصل سلسلۂ کلام سے الگ ان کو آخر میں جگہ دی گئی۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۵۸-۶۴ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ
لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ
حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڲ
ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۸ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا
كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا
فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ
وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰ لَيْسَ عَلَي الْاَعْمٰى
حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي
اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خٰلٰتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوْا جَمِيْعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا
فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ
ع ۱۴ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَإِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى أَمْرٍ جَامِعٍ
لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوْهُ ۚ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ أُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ
فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ
قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ
يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖۤ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ قَدْ يَعْلَمُ مَآ أَنْتُمْ
عَلَيْهِ ۚ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
ع ۹ ۱۵ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٤﴾

ترجمۂ آیات ۵۸-۶۴ اے ایمان والو، تمہارے غلام اور لونڈیاں بھی اور تمہارے اندر کے وہ بھی جو ابھی بلوغ
کو نہیں پہنچے ہیں، تین وقتوں میں اجازت لیا کریں۔ ایک نماز فجر سے پہلے، دوسرے دوپہر
کو جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو، اور نماز عشا کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہاری بے پردگی
کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تمہارے اور ان کے اوپر بدون اجازت آنے جانے میں کوئی
قباحت نہیں، تم ایک دوسرے کے پاس آمد و شد رکھنے والے ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے

لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور جب تم میں سے وہ جو بچے ہیں بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح ان کے پہلوں نے اجازت لی۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور عورتوں میں سے بڑی بوڑھیاں، جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، اگر اپنے دوپٹے اتار دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں اور یہ بات کہ وہ بھی احتیاط کریں ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ۵۸۔۶۰

نہ نابینا پر کوئی تنگی ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ مریض پر کوئی تنگی ہے اور نہ خود تمھارے اوپر کوئی تنگی ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اپنے زیر تولیت کے گھروں سے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ پیو، خواہ اکٹھے ہو کر یا الگ الگ۔ بس یہ بات ہے کہ جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو اللہ کی طرف سے ایک بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ ۶۱

مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب کسی اجتماعی معاملہ کے لیے رسول کے پاس ہوتے ہیں تو اس وقت تک وہاں سے نہیں ٹلتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں۔ جو لوگ تم سے اجازت لے کر جاتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ تو جب وہ اپنی کسی ضرورت سے اجازت مانگیں تو تم ان میں سے جس کو چاہو اجازت دے دیا کرو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ بے شک اللہ

غفور رحیم ہے۔ ۶۲۔

تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں سے اچھی طرح باخبر رہا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جایا کرتے رہے ہیں۔ پس وہ لوگ جو اس کے حکم سے گریز کرتے رہے ہیں اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے یا ان کو ایک دردناک عذاب آپکڑے۔ آگاہ رہو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم جس حال پر ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے اور جس دن یہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا وہ اس سے ان کو باخبر کرے گا اور اللہ ہر چیز سے اچھی طرح واقف ہے۔ ۶۳-۶۴

---

## ۱۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۵۸-۵۹)

غلاموں اور بچوں کے لیے تین اوقات میں اجازت لینے کی پابندی

پیچھے آیت ۲۷ پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ وہاں گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی جو شرط لگائی ہے اس سے غلاموں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ رکھا تھا۔ بعد میں ان پر بھی یہ قید عائد کر دی گئی کہ تین اوقات میں وہ بھی اجازت لیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت جب تم قیلولہ کے لیے کپڑے اتارتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ ان تین اوقات میں خاص احتیاط کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ اوقات بے تکلفی اور بے پردگی کے ہیں۔ فجر سے پہلے اور عشاء کے بعد کے اوقات کا بے پردگی کے اوقات ہونا تو واضح ہے۔ دوپہر کا وقت بھی عام طور پر آرام کا ہوتا ہے۔ خاص طور پر عرب میں گرم ملک ہونے کی وجہ سے، اس وقت لوگ قیلولہ کرتے ہیں۔ ان اوقات میں غلاموں اور بچوں کا بے اجازت گھر میں داخل ہونا اس بات کا محتمل

تھا کہ وہ گھر والوں کو کسی ایسے حال میں دیکھ لیں جس میں دیکھنا پسندیدہ نہ ہو۔ اس وجہ سے یہ پابندی عائد کر دی گئی۔ اور ان پابندیوں کے عائد کرنے میں ایک تدریج ملحوظ رکھی گئی تاکہ یہ طبائع پر زیادہ شاق نہ ہوں۔ ان تین اوقات کے سوا ان پر اجازت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس کی حکمت یہ واضح فرمائی ہے کہ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ تم ہر وقت ایک دوسرے کے پاس آمد و شد رکھنے والے ہو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی تنگی میں ڈالنا پسند نہیں فرمایا۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ الاٰیۃ: لیکن یہ نابالغ بچے بھی اجازت لینے کی قید سے مستثنیٰ صرف اس وقت تک ہیں جب تک نابالغ ہیں۔ بالغ ہونے کے بعد ان پر بھی وہ تمام پابندیاں عائد ہو جائیں گی جو دوسروں کے لیے مذکور ہوئی ہیں۔ اس دلیل کی بنا پر کہ یہ بچپن سے گھر میں آتے جاتے رہے ہیں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی۔

**یہ دونوں آیتیں توضیحی ہیں**

ان دونوں آیتوں کے ساتھ دیکھ لیجیے، یہ تصریح موجود ہے کہ یہ بعد میں سابق احکام کی وضاحت کے طور پر نازل ہوئی ہیں اور یہ وضاحت خدا کے علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی یہ جانتا ہے کہ بندوں کی تربیت و اصلاح کے لیے کیا احکام دیے جائیں اور وہ کس ترتیب و تدریج کے ساتھ نازل کیے جائیں۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۶۰)

**بوڑھی عورتوں کے لیے ایک رخصت**

یہ آیت بھی توضیحی آیات میں سے ہے۔ پیچھے آیت ۳۱ میں عورتوں کو گھر کے اندر کسی غیر محرم کی موجودگی میں، جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں یہ ہدایت بھی ہے وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وہ اپنی اوڑھنیوں کے آنچل سے اپنے گریبان ڈھانک لیا کریں۔ اس حکم عام سے یہاں ان عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا جو اب نکاح کی عمر سے گزر چکی ہیں۔ یعنی اگر وہ اوڑھنیوں کا یہ اہتمام نہ کریں تو اس میں چنداں حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ اگرچہ پسندیدہ بات ان کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ بھی احتیاط کو ملحوظ رکھیں جو دوسری عورتوں کے لیے بیان ہوئی ہے۔ بڑی بوڑھیوں کے لیے یہ رعایت ان کی آسانی کے لیے رکھی گئی ہے لیکن اس میں بھی فتنہ کا ایک پہلو ہے۔ جس طرح بعض مردوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ بوڑھے ہو جاتے ہیں لیکن ناک لگی ہی رہ جاتی ہے اسی طرح بعض عورتوں میں بھی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ بوڑھی ہو جاتی ہیں لیکن اپنے زیورات اور اپنی ثروت کی نمائش کا شوق ان کے اندر سے نہیں نکلتا۔ چونکہ یہ چیز بجائے خود آدمی کے دین کے لیے ایک فتنہ ہے اس وجہ سے اس کی طرف توجہ دلا دی کہ وہ اس رخصت سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ، یہاں تنبیہ کے لیے ہے۔ یعنی ہر شخص کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خدا سے کوئی

بات مخفی نہیں رہتی۔ وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ
تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا
مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا
دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۶۱)

**پردہ کا مقصد معاشرتی روابط کا انقطاع نہیں**

یہ آیت بھی توضیحی آیات میں سے ہے۔ جب گھروں کے اندر جانے پر وہ پابندیاں عائد کر دی گئیں جو پیچھے بیان ہوئیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ اسلام سوشل آزادیوں کو محدود کرنا چاہتا ہے کہ خاص اپنے عزیزوں، قریبوں، رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں بھی اب کوئی شخص آزادی و بے تکلفی کے ساتھ نہیں آجا سکتا۔ بہت سے لوگ جو معذور و مجبور تھے اور اپنی مجبوری کے سبب سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں ہی کے گھروں پر گزارہ کرتے تھے انھوں نے بھی یہ محسوس کیا کہ اب ان کی آزادی محدود ہو گئی۔ دورِ جاہلیت میں چونکہ غیر محدود آزادی و بے قیدی لوگوں کو حاصل رہی تھی اس وجہ سے اس کے مقابل میں اتنی پابندی بھی بعض طبائع پر شاق گزری۔ اس طرح کے لوگوں کے شبہ کو دور کرنے کے لیے یہ وضاحت فرما دی گئی کہ بعض احتیاطی پابندیوں کے عائد کرنے سے نہ یہ مقصود ہے کہ اندھے، لنگڑے اور مریض اپنے تعلق کے لوگوں کے سہارے سے محروم ہو جائیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ اعزہ و اقربا اور دوستوں کے ساتھ معاشرتی روابط منقطع ہو جائیں۔ لوگ ایک دوسرے کے ہاں آئیں جائیں، ملیں جلیں، کھائیں پئیں۔ انفرادی طور پر بھی اور تقریبات میں اجتماعی طور پر بھی۔ ان چیزوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ مطلوب جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ جب لوگ گھروں میں داخل ہوں تو سلام کر کے داخل ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مبارک اور پاکیزہ طریقۂ تحیت و دعا ہے جس سے باہمی تعلقات کی خوش گواری میں اضافہ ہوتا ہے اور شیطان کی دراندازیوں کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس پابندی کو گراں نہ سمجھو۔ اس میں تمام تر تمھاری ہی فلاح و بہبود مدِ نظر ہے۔

**'اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ' سے مراد**

'اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ' سے مراد، میرے نزدیک، وہ گھر ہیں جن کی تولیت کی کسی شخص پر ذمہ داری ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی یتیم کا ولی ہے۔

'كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ' یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ یہ کسی سابق حکم کی، جیسا کہ ہم نے تصریح کی، وضاحت ہے۔ 'لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ' سے یہ بات نکلتی ہے کہ جن لوگوں نے ان ہدایات کو ناروا پابندی پر محمول کیا، یہ محض نافہمی کی بنا پر کیا۔ قرآن نے یہ وضاحت اس لیے فرمائی ہے کہ اس

قسم کے لوگوں کی یہ نافہمی دور ہو اور وہ ان احکام کی افادیت و برکت کو اچھی طرح سمجھیں۔

اس آیت میں تمام رشتہ داروں اور قرابت داروں کا اس تصریح کے ساتھ الگ الگ جو ذکر آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں مشترک خاندانی نظام کا رواج نہیں تھا بلکہ ہر بالغ شادی کے بعد اپنا الگ گھر بساتا تھا۔ اور اس تصریح سے یہ بات بھی نکلی جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ اس سورہ میں زیر بحث وہ پردہ ہے جو اعزہ و اقربا اور تعلق و اعتماد کے لوگوں کے گھروں کے اندر آنے جانے کی صورت میں مردوں اور عورتوں دونوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہاں اس پردے کی وضاحت نہیں ہے جو عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں اختیار کرنا چاہیے۔ اس کی وضاحت جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، سورۂ احزاب میں ہوئی ہے اور ہم وہاں ان شاء اللہ اس پر مفصل گفتگو کریں گے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۲﴾

اجتماعی کاموں سے کھسکنے والے منافقین کو تنبیہ

یہ اور اس کے بعد کی آیات، منافقین کے اس ذکر سے متعلق ہیں جو آیت ۵۰ پر ختم ہوا ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بطور تنبیہ مزید بعد میں نازل ہوئی ہیں اس وجہ سے ان کو بعد میں نازل ہونے والی آیات کے ساتھ جگہ دی گئی تاکہ ان کی پوری اہمیت واضح ہو۔ فرمایا کہ اصل مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر سچا اور پکا ایمان رکھتے ہیں۔ قرینہ دلیل ہے کہ فعل 'آمَنُوا' یہاں اپنے کامل مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ 'وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ' یہ ان کے رسوخِ ایمان کی ایک علامت بیان ہوئی ہے کہ جب وہ کسی اجتماعی کام کے لیے رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو منافقین کی طرح یہ نہیں کرتے کہ جب چاہا وہاں سے چپکے سے کھسک گئے بلکہ انھیں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو رسول سے اجازت لے کر وہاں سے ٹلتے ہیں۔ فرمایا کہ جو لوگ اجازت لیتے ہیں وہی سچے مومن ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ مومن نہیں بلکہ پکے منافق ہیں۔ فرمایا کہ جو لوگ اپنی کسی واقعی ضرورت کے لیے اجازت کے طالب ہوں تو ان میں سے، جس کو چاہو، اجازت دے دیا کرو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر چند اس طرح کی اجازت مانگنا کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے اس لیے کہ رسول کی معیت و نصرت سے بڑھ کر، بالخصوص جب کہ کوئی اجتماعی ضرورت درپیش ہو، کوئی دوسرا کام نہیں ہو سکتا لیکن انسانی کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر رسول کو یہ اجازت دے دی گئی کہ اگر وہ کسی کو اجازت دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اور اس کی اس کمزوری کے لیے اللہ سے استغفار کریں۔

لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۳﴾

خطاب باعتبار الفاظ، اگرچہ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ کلام کا رخ منافقین ہی کی طرف ہے۔ فرمایا کہ اگر رسول کسی اجتماعی کام کے لیے دعوت دیں تو اس کو دوسروں کے بلانے کی طرح نہ سمجھو بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ رسول کی ہر دعوت پر لبیک کہتا ہوا ان کی خدمت میں حاضر ہو۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا۔ مضارع سے پہلے یہاں فعل ناقص محذوف ہے۔ 'تسلّل' کے معنی چل دینے اور چپکے سے کھسک جانے کے ہیں۔ 'لِوَاذًا' کے معنی ایک دوسرے کی آڑ اور پناہ لیتے ہوئے۔

یہ منافقین کو تنبیہ ہے کہ اللہ ان لوگوں سے برابر آگاہ رہا ہے جو رسول کے بلائے ہوئے اجتماعات سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے کھسک جایا کرتے رہے ہیں کہ پرسش ہو تو یہ عذر کر سکیں کہ ان کو حضورؐ کے حکم کی خبر نہیں ہوئی۔ اس اسلوب بیان میں جو غصہ اور عتاب مضمر ہے وہ زبان کا ذوق رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔

'فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ الآیۃ۔ 'مخالفۃ' یہاں گریز و فرار کے مفہوم پر متضمن ہے اس وجہ سے اس کا صلہ 'عن' کے ساتھ آیا ہے۔ مخالفین کی مخالفت کی نوعیت درحقیقت گریز و فرار ہی کی تھی۔ وہ اپنی بزدلی کے سبب سے سامنے تو 'اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا' ہی کہتے لیکن درپردہ گریز و فرار کی کوشش کرتے۔ فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے وہ اس بات کو نہ بھولیں کہ اس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بہت بڑی آزمائش میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں اور کسی دردناک عذاب میں بھی گرفتار ہو سکتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۶۴)

یہ اس سورہ میں منافقین کو آخری تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ جس حال میں تم رہے ہو، یا ہو اس سے اللہ برابر باخبر رہا ہے اور ہے۔ اس کے بعد ان سے منہ پھیر کر فرمایا کہ یہ لوگ اس دن کو یاد رکھیں جس دن اللہ کے حضور ان کی پیشی ہوگی اور اللہ ان کا سارا کچا چٹھا ان کے سامنے رکھ دے گا۔ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

ان سطروں پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس گروپ کی اس آخری سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں سے درگزر فرمائے اور صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کرے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

رحمان آباد

۲۴ ستمبر ۱۹۷۳ء